انتخابِ کلام

سے

ماچس لکھنوی

مرتبہ

رئیس آغا

اُترپردیش اُردو اکادمی
لکھنؤ

سلسلۂ مطبوعات : ۲۷۵

انتخابِ کلام

ماچسؔ لکھنوی

مرتبہ
رئیس آغا

اتر پردیش اردو اکادمی
لکھنؤ

انتخاب کلام ماچس لکھنوی

مرتبہ

رئیس آغا

Intikhab Kalame Machis Lakhnawi

Edited by : Rais Agha

Rs.29/=

پہلا ایڈیشن	:	۲۰۰۴ء
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	فرقان علی سلمانی
تعداد	:	ایک ہزار
قیمت	:	=/۲۹ روپے

محمد نجم الحسن، سکریٹری اتر پردیش اردو اکادمی نے میسرس نا رورن آفسیٹ پریس ٹکیت رائے تالاب، سوہان روڈ، لکھنؤ سے چھپوا کر اکادمی کے دفتر وبھوتی کھنڈ، گومتی نگر، لکھنؤ سے شائع کیا۔

پیش لفظ

اتر پردیش اردو اکادمی اپنے قیام سے ہی یہ کوشش کرتی رہی ہے کہ اردو کے قارئین کو کم قیمت پر عمدہ، خوبصورت اور معیاری کتابیں فراہم کرائے۔ اسی اصول کے تحت اب تک اکادمی نے کثیر تعداد میں نثری اور شعری انتخابات، ناول، افسانے، تذکرے، تراجم، لغات و فرہنگ اور تحقیقی و تنقیدی کتابیں ہی نہیں شائع کیں بلکہ جنگِ آزادی اور بچوں سے متعلق ادب اور مولانا ابوالکلام آزاد سے متعلق بیسیوں کتابوں نیز الہلال کے عکسی ایڈیشن کی اشاعت کا فریضہ بھی انجام دیا ہے۔ اکادمی نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ نصابی کتابیں اور حوالے کی کتابیں زیادہ سے زیادہ چھاپی جائیں۔ آج صورتِ حال یہ ہے کہ اکادمی کی کتابیں بیشتر یونیورسٹیوں میں داخلِ نصاب ہیں اور اتر پردیش اردو اکادمی کا نام اشاعتِ کتب کی وجہ سے ملک کے کونے کونے میں پہونچ گیا ہے۔

مرزا محمد اقبال ماچس لکھنوی میدانِ طنز و ظرافت کے شہسوار تھے۔ اکادمی کی فرمائش پر جناب رئیس آغا نے ''انتخاب کلامِ ماچس'' مرتب کیا تھا۔ بعض وجوہ کی بنا پر اس کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہوئی۔ اس درمیان مرتب کا انتقال ہو گیا۔ اکادمی کو سخت افسوس ہے کہ یہ انتخاب مرتب کی حیات میں شائع نہ ہو سکا۔

''انتخابِ کلامِ ماچس'' حاضرِ خدمت ہے۔ مجھے قوی امید ہی نہیں بلکہ یقین بھی ہے کہ اکادمی کی دوسری مطبوعات کی طرح اس کو بھی شرفِ قبولیت حاصل ہوگا۔

(حاجی) محمد اعظم قریشی
چیرمین
مجلسِ انتظامیہ

اتر پردیش اردو اکادمی
گومتی نگر، لکھنؤ
۲۶ /اکتوبر ۲۰۰۲ء

ماچسؔ لکھنوی

ایک نظر میں

نام	:	مرزا محمد اقبال
تخلص	:	ماچسؔ (نوحوں اور سلام وغیرہ میں سوختہؔ)
ولادت	:	لکھنؤ، ۱۹۲۲ء (۱۹۶۷ء میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی کو منظوم خط میں ماچسؔ نے اس وقت اپنی عمر ۴۵ سال نظم کی ہے)
سکونت	:	محلہ کاظمین سعادت گنج لکھنؤ (ملحق روضہ کاظمین پھاٹک)
پیشہ	:	ملازمت
تاریخِ وفات	:	۲۶/اگست ۱۹۷۰ء
مدفن	:	کربلائے امین الدولہ امداد حسین خاں۔ لکھنؤ

مقدمہ

اردو اکادمی اتر پردیش کے لائق ستائش اقدامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اردو ادب کے شاندار ماضی کی بازیافت کو اردو زبان وادب کے فروغ کا جزو قرار دے کر اسے پیش منظر میں لایا جا رہا ہے اور اردو کے اہم ادیبوں اور شاعروں کے نمائندہ انتخابات شائع کئے جا رہے ہیں۔

اسی سلسلہ میں راقم الحروف کو مرزا محمد اقبال ماچس لکھنوی کے کلام کا انتخاب کرنے کی خدمت سپرد کی گئی۔ اس سلسلہ میں اکادمی نے ایک معاہدہ نامہ جو میرے نام جاری کیا وہ میرے لکھنؤ کی قیام گاہ پر جب پہونچا تو میں لکھنؤ میں موجود ہی نہ تھا۔ اکتوبر ۱۹۹۸ء کے اوائل ہی سے بعارضۂ کینسر، علاج کے لئے ٹاٹا اسپتال ممبئی میں قیام پذیر تھا۔ میرے متعلقین نے وہ معاہدہ مجھے ممبئی بھیج دیا۔ اکادمی کی طرف سے انتخاب کلام کے لئے دی گئی مدت کم اور میرے مرض کی شدت زیادہ! ماچس سے متعلق میرے پاس محفوظ مواد لکھنؤ میں، جس کا مجھ تک پہونچنا محال، کشمکش کی حالت کا اظہار اپنے ایک عزیز دوست جو معروف ادیب وصحافی بھی ہیں ممبئی کے ایک روزنامہ کے کالم نویس 'سید بشارت شکوہ' پر کیا۔ دراصل یہی ممبئی میں میرے علاج کے لئے پیش پیش ہیں۔ کہنے لگے کہ اگر تم آمادہ ہو اور اتنی توانائی محسوس کرتے ہو کہ یہیں اس کام کو انجام تک پہونچا دو تو ایک ذریعہ یہ ہے کہ ماچس لکھنوی کے ایک لائق بھتیجے جو خود بھی ادبی دنیا میں سگار لکھنوی کے نام سے مشہور ہیں، میری

''جوہو'' (ممبئی) کی قیام گاہ کے قریب ہی رہتے ہیں۔ان سے ماچس کا کلام یہیں مہیا کر دینے کے لئے کہوں۔میں نے حامی بھر لی کہ 'چشم ماروشن دل ماشاد' والی کیفیت طاری تھی۔دو ہی روز کے مختصر وقفہ میں سگار لکھنوی نے اپنے عم محترم مرحوم کا اتنا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام مجھے مہیا کر دیا جو ایک مجموعہ تک شایع کرنے کو کافی ہے۔اکثر و بیشتر کلام تو خود ماچس مرحوم کا اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

ایسے موقع پر ایک نہایت اہم غلط فہمی کا ازالہ اور اپنی صفائی قلب کا اظہار بھی از بسکہ ضروری ہے۔وہ یہ کہ ماچس مرحوم کے انتقال کے کوئی بائیس برس بعد میں نے مرحوم کے کلام پر ایک مضمون تحریر کیا جسے اتر پردیش اردو اکادمی کی دو ماہی ''اکادمی'' کی جلد ۱۲ شمارہ ۴، ۵، ۶ میں شایع کیا گیا تھا۔مضمون میں اپنے مرحوم دوست کے کلام کی عدم اشاعت کی تاخیر کی اس طویل مدت پر اظہار تاسف کرتے ہوئے یہ جملے بھی تحریر کیے کہ ان کے انتقال کے بعد:۔

> ''ان کے ایک سعادت مند بھتیجے نے خم ٹھونک کر اس وقت اعلان کیا تھا کہ وہ اسے چھپوائیں گے،افسوس کہ آج تک نہ چھپ سکا۔''

اس سعادت مند بھتیجے کی طرف اشارہ عزیزی فرخ نواب سگار لکھنوی ہی کی طرف تھا جو نہ صرف لکھنؤ کے ایک صاحب طرز ادیب وشاعر حضرت معز لکھنوی کے لائق فرزند ہیں بلکہ اپنے عم محترم ماچس لکھنوی کے شاگرد اور ہندوستان و پاکستان کے ادبی حلقوں میں مشہور اور میدان ظرافت کے شہسواروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔موصوف نے یہ انکشاف فرمایا کہ ۱۹۹۵ء میں ماچس مرحوم کے چھوٹے بیٹے نے اپنے والد کا کچھ کلام جو ایک مجموعہ کی صورت میں ''شعلے اور چنگاریاں'' کے نام سے شایع کیا ہے۔اُس کی اشاعت

کے لئے انھوں (سگّار) نے ایک خطیر رقم دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ فراہمی رقم کی دستاویزی یقین دہانی کے بعد راقم الحروف نے اپنا فرض سمجھا کہ غلط بیانات کی بنیاد پر اپنے تحریر کردہ مذکورہ بالا ''ریمارک'' کا ازالہ کروں اور زیرِ نظر انتخاب کے سلسلہ میں انھوں نے جو زحمتیں اٹھا کر مجھے سہولتیں بہم پہونچائی ہیں ان کا تحریری شکریہ ادا کروں۔

اب جہاں تک ماچس کے کلام کی خوبیوں کا تعلق ہے بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ دنیائے ادب میں اپنے عہد کے شہنشاہِ ظرافت، ظریف لکھنوی کے بعد ہندوستان کے گوش و کنار میں کوئی ایسا قابلِ لحاظ شاعر نظر نہیں آتا جس کی ظرافت کا شہرہ اتنا ہمہ گیر ہو۔

جہاں تک ماچس کے حسب و نسب کا تعلق ہے وہ اودھ کے تیسرے تاجدار محمد علی شاہ کی نسل میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کی پروردہ ایک منفرد شخصیت کے مالک تھے جنھوں نے محمد علی شاہ کے پوتے حکیم مرزا محمد ابراہیم عیشؔ کے زیرِ تربیت ایک مثالی تہذیب کے سائے میں پرورش پائی تھی۔ عیشؔ مرزا محمد اقبال ماچس کے نانا تھے اور ان کا شمار اپنے عہد کے مسلم الثبوت اساتذہ میں ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ماچس اپنی اُس خاندانی وجاہت و شرافتِ ذاتی کے باعث، جو ان کے رگ و پے میں رچی بسی ہوئی تھی تہذیب کے دائرے سے باہر اپنے دامن کو آلودہ ہونے سے بچائے رہے۔ ان کے کلام کا انتخاب ہی نہیں، اگر پورے کلام کا جائزہ لیا جائے، جس کا بیشتر حصہ راقم الحروف کے پیشِ نظر ہے تو قاری کو اندازہ ہوگا کہ ڈھونڈنے سے بھی کوئی مبتذل لفظ نہیں مل سکے گا۔ ماچس کا کمال وقدرتِ نظم یہ تھا کہ وہ بھونڈے، سبک اور مبتذل الفاظ کے پھکڑ پن سے قہقہے کی دیوار کھڑی کرنے کے بجائے سنجیدہ الفاظ کی لطافت کے پس پردہ تبسم زیرِ لب کے ایک دلخوش کن منظر سے اپنے قاری اور سامع کو دوچار کر دیتے تھے۔ تمثیلاً ماچس کے اس قطعہ کو ملاحظہ فرمائیے:۔

میں دوڑا تھا اکڑ کر قتل ہونے
اکڑ کو شانِ اہلِ دل سمجھ کے
مگر قاتل نے یہ تیور جو دیکھے
تو خود بھاگا مجھے قاتل سمجھ کے

آخر میں قارئین کرام کی خدمت میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ زیرِ نظر ''انتخابِ کلام ماچس لکھنوی'' میں شعرا کے دواوین و مجموعوں کے روایتی انداز کے برخلاف راقم الحروف نے ہزل، نظم، قطعہ، رباعی اور دوسرے التزامات کے علیحدہ شعبے نہ قائم کر کے قارئین کے کام و دہن کو کلام کی مختلف چاشنیوں کے ذائقوں سے بیک وقت لطف اندوز ہونے کا سامان فراہم کرنے کو ترجیح دی ہے۔

فقط والسلام

احقر

رئیس آغا

مدیر ہفت روزہ ''نجم''

۹۵۔ مقبرہ گولہ گنج، لکھنؤ

۲۸ر دسمبر ۱۹۹۸ء

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

هزل

شیخ آئے جو محشر میں تو اعمال ندارد
جس مال کے تاجر تھے وہی مال ندارد

کچھ ہوتا رہے گا یونہی ہر سال ندارد
جنت کبھی غائب، کبھی نیپال ندارد

رومال جو ملتے تھے تو تھی رال ندارد
اب رال ٹپکتی ہے تو رومال ندارد

تحقیق کیا ان کا جو شجرہ تو یہ پایا
کچھ یونہی سی ننھیال ہے ددھیال ندارد

ہے اُس بتِ کافر کا شباب اپنا بڑھاپا
ماضی ہے اُدھر گول اِدھر حال ندارد

تعداد میں ہیں عورتیں مردوں سے زیادہ
قوالیاں موجود ہیں قوال ندارد

بیوی کی بھی جوتی کے تلے ہو گئے غائب
شوہر کے اگر سر سے ہوئے بال ندارد

ہوتا ہے یہی حسن کے اور عشق کے مابین

اس سال جو باتیں تھیں وہ اس سال ندارد

انساں تو ہیں موجود مگر کیا کہیں تم سے

ہے بوئے وفا بھائی اگر وال ندارد

اُس بت پہ شباب آیا کوئی شیخ سے کہہ دو

یہ کیسی قیامت ہے کہ دجّال ندارد

ماں باپ، بہن بھائی سب ان کے ہیں مرے ساتھ

اب گھر مرا سُسرال ہے سُسرال ندارد

کٹوا کے حسیں زلفوں کو دل پھانسنے نکلے

یہ کیسے شکاری ہیں کہ ہے جال ندارد

مستقبلِ رنگیں کے لئے اہلِ وطن کا

جو حال ضروری تھا وہی حال ندارد

اللہ رے ستم، وصل کا جس سال تھا وعدہ

وہ ہو گئے دنیا سے اسی سال ندارد

ہے جنس محبت کا خریدار زمانہ

بازار میں لیکن ہے یہی مال ندارد

ساقی مرا واعظ تو نہیں چہرے پہ جس کے

رمضان ہی رمضان ہو شوّال ندارد

بنواؤ نہ یوں جوتیوں میں دال مری جاں
کیا کھاؤ گے گر ہو گئی یہ دال ندارد
واعظ کو نہ کیوں اپنی ضعیفی سے گلہ ہو
ہیں بیویاں دس دس، مگر اطفال ندارد
خاموش جو بیٹھو تو ہوا کرتی ہے الجھن
پرواز کی سوچو تو پر و بال ندارد
دُرگت یہ بنی نخش نگاری سے ادب کی
وہ روپ وہ چہرے کے خد و خال ندارد
ماچس نہ کہیں نالۂ سوزاں سے لگے آگ
ہو جائے نہ پنڈال کا پنڈال ندارد

☆☆☆

قطعہ

وار رندوں کے چل گئے ہوتے
شیخ جی بھی بدل گئے ہوتے
میں نے ڈانٹا تو بچ گئے ورنہ
یہ بھی بوتل میں ڈھل گئے ہوتے

جناب مولوی عبدالماجد دریا آبادی کی

خدمت میں

منظوم عرضداشت

یہ مرے اشعار ہیں اک مولوی صاحب کے نام
ہے زمانے میں پچھتر سال سے جن کا قیام
میرے اک مطلع نے کی تشریح جن کے حال کی
جس کو سن کر قدر کچھ ہونے لگی اعمال کی
یہ بھی قدرت قادرِ مطلق نے دکھلائی جنھیں
"مردِ معمولی" سے اعلیٰ بات سنوائی جنھیں

ہفتہ وار "صدق جدید" کے مدیر محترم مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے ۵/ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۷/مارچ ۱۹۶۷ء کے پرچے میں "عمر کا پچھتر واں سال" کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا جس میں اپنے مخصوص انداز میں اپنی زندگی کا جائزہ لیا۔ اس ضمن میں میرے ایک مطلع کا ذکر جس طرح فرمایا اُس کو شعر کی بہترین شرح اور شاعر کے استحقاق سے زیادہ ہمت افزائی سمجھنا چاہیے۔ جس کے لئے میں مولانا کا شکر گزار ہوں۔ لیکن متعلقہ عبارت کے پہلے جملے میں شکر کے ساتھ شکایت کا بھی پہلو نکل آیا جملہ یہ ہے۔
"لکھنؤ میں ایک شاعر تھے معمولی سے" اس جملے نے شاعر کو زندوں کی ہنستی بولتی محفل سے اٹھا کر مُردوں کے شہر خموشاں میں پہنچا دیا اور کون ایسا زندہ ہے جو مُردوں میں اپنا شمار پسند کرے۔ "معمولی سے" کا جملہ کا

دل کو بہلاتے ہیں جو اہل ادب کی یاد سے
جن کے انشا کا ہے جاری فیض دریاباد سے
یوں مرا مطلع کھپایا اپنے اک مضمون میں
جیسے حل ہوتا ہے سونے کا ورق معجون میں
سوچتا ہوں نظم میں ہو ان کے مضموں کی رسید
میز پر رکھا ہوا ہے سامنے ''صدق جدید''

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ)

حقیقت پر مبنی تو ہے لیکن اگر مولانا شاعر کو زندہ سمجھتے تو شاید اس کی خاطر سے یہ فقرہ تحریر نہ فرماتے اب اس مطلع کے متعلق مولانا کے ارشادات ملاحظہ ہوں۔

''لکھنؤ میں ایک شاعر تھے معمولی سے'' اور غزل سے بڑھ کر ہزل سے ذوق رکھنے والے لیکن قادر مطلق جس کی زبان سے جو چاہے سنوا دے۔ اُن کا یہ شعر جب پہلی بار سننے میں آیا تو جسم پر سناٹا چھا گیا۔ ؎

محشر میں جو شیخ آئے تو اعمال ندارد
جس مال کے تاجر تھے وہی مال ندارد

اور دل نے کہا کہ یہ اور کسی کے حق میں ہو یا نہ ہو اس کم نصیب کے حق میں تو ضرور ہے...... جب یہ عوامی زبان میں شیخ کہلانے والے محشر میں لائے گئے تو وہاں قدر تا پرسش...... اعمال کی ہوئی یہاں ان کا سرمایہ تھا ہی کہاں جو پیش ہوتا۔ ''اعمال ندارد'' جو کچھ تھا وہ تو فقط مال تجارت تھا کہ دوسروں کو کچھ سنا دیا کچھ بتا دیا۔ اس کاروبار سے اپنی اصلاح کیا ہوئی اپنے قلب میں تصفیہ وتزکیہ کیا ہوا۔ اپنی روح میں جلا کہاں سے پیدا ہوئی۔ ''جس مال کے تاجر تھے وہی مال ندارد'' مولانا کے ارشادات سے متاثر ہو کر شاعر کے تاثرات نے ایک منظوم عرضداشت کی صورت اختیار کر لی جو مولانا کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔

پانچ ذالحجہ چھیاسی سال ہجری کی ہے بات
سترہ مارچ اور سن سرسٹھ مطابق بھی ہے ساتھ
مصرعۂ ثانی کا مطلع میں جو کچھ اعلان ہے
نثر کا ہر صفحۂ اول وہی عنوان ہے
پونے دو سطروں میں ہے وہ ان کے خامے کا کمال
جو کہ ہے اک بحر کو کوزہ میں بھرنے کی مثال
اُف رے زورِ علم، اللہ رے نگاہِ انتخاب
ایک ذرّہ سے نکالی ہے شعاعِ آفتاب
حق ہے مولانا کو گر اپنے قلم پر ناز ہے
کیا اچھوتا شعر کی تعریف کا انداز ہے
ہوں گے قائل پڑھ کے مضمون ان کا افرادِ سخن
واقعی اہلِ صفا دیتے ہیں یوں دادِ سخن
کیا خبر تھی مستحق نکلے گا اِتنی دھوم کا
ایک معمولی سا شاگرد آرزو مرحوم کا
ہوں بس اپنے واسطے اعلیٰ کہ معمولی ہوں میں
کوئی کیا جانے مجھے کس کھیت کی مولی ہوں میں
تیسرے شاہِ اودھ کی پُشت اگر ہوں پانچویں
لیکن اس سے کیا کہ وہ سلطاں تھے میں کچھ بھی نہیں
نغمۂ طوطی کا کیا نقار خانے میں وجود
کچھ نہ ہوگا کہہ کہ حاصل جدِّ من سلطان بود
بس کہ وہ سب گردشِ تقدیر کا ممنون ہے
میری رگ رگ میں جو شاہانِ اودھ کا خون ہے

روند کر ہر گردشِ دوراں کو اپنے پیر سے
ایک دفتر کی غلامی کر رہا ہوں خیر سے
بہرِ اظہارِ حقیقت آدمی مجبور ہے
ورنہ اک بے وقت شہنائی کے منظور ہے
نا شناسانِ سخن کے غول سے ہارا ہوا
کیا کرے اک انقلابِ وقت کا مارا ہوا
ایک ہی مطلع نے پائی داد جس معیار کی
یہ نہ ملتی زندگی بھر میرے کُل اشعار کی
اس سے،سب طرزِ نگارش جس کا پہچانے ہوئے
جس کا ہر اہلِ قلم ، زورِ قلم مانے ہوئے
اور میرے فن کا مستقبل سنورنا چاہئے
وہ سند پائی ہے جس پر ناز کرنا چاہئے
دوستوں سے ذکر اس کا بارہا کرتا ہوں میں
شکریہ ذرہ نوازی کا ادا کرتا ہوں میں
یہ تو سب کچھ ہے مگر اک بات دل پر بار ہے
جس پہ اک شاعر کا چپ رہنا بہت دشوار ہے
اب ادب کے ساتھ مولانا سے کرتا ہوں خطاب
غور کے قابل نہ تھی کیا بات یہ عالی جناب
کیا یونہی دنیا میں کرتے ہیں کسی کو روشناس
احتراماً پیش کرتا ہوں ذرا سا اقتباس
"لکھنؤ میں ایک شاعر تھے" جو یہ جملہ پڑھے
وہ تو سمجھے گا کہ گویا اب نہیں ہیں، مر چکے

ایسی فالِ بد سے ہوگا کتنا شاعر کو ملال
وہ کہ جس کی عمر ابھی ہو صرف پینتالیس سال
اک جواں کی یوں نہ شمعِ زندگی گل کیجئے
اپنے جینے کی تمنا سے تقابل کیجئے
ختم ہوتا ہے تو مجبوری سے جینے کا جنون
ورنہ کس کو ہے قبول "انا الیہ راجعون"
کاش مولانا یہ لکھ سکتے بقدرِ اختصار
تھے نہیں اب بھی یہ زندہ ہیں بفضلِ کردگار
لکھنؤ میں ہیں خدا رکھے بہت آرام سے
اور ہیں بدنام ماچس لکھنوی کے نام سے

ماچس لکھنوی کے مذکورہ منظوم خط اور زندگی کی تصدیق کے بعد مولانا موصوف نے اپنے اخبار "صدق جدید" کی جلد ۱۸ شمارہ ۵ کے صفحہ ۵ مورخہ ۲۹ نومبر ۱۹۶۷ء میں "ایک اعتذار نامہ از عبدالماجد" کے عنوان سے مندرجہ ذیل عبارت تحریر فرمائی:۔

"صدق جدید مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۶۷ء میں مضمون "عمر کا پینتالیسواں سال" کے تحت میں ایک اچھے اور موثر شعر کے ضمن میں ذکر شاعر صاحب کا اس طرح آ گیا تھا جیسے وہ مرحوم ہو چکے ہوں۔ اس وقت تک میں شاعر صاحب کی شخصیت سے لاعلم تھا صرف کلام ہی سے متاثر ہوا بعد کو معلوم کر کے بڑی ندامت ہوئی کہ کہ موصوف ماشاءاللہ زندہ سلامت ہیں۔ لکھنؤ کے استاد آرزو مرحوم کے خاص شاگرد ہیں۔ شاہان اودھ کے شاہی خاندان سے بھی ہیں۔ مرزا محمد اقبال نام اور ماچس تخلص کرتے ہیں سکونت کاظمین گیٹ لکھنؤ ہے اور اکثر مشاعروں میں داد ظرافت دیتے ہیں۔ اپنے قصد و ارادہ کے مخالف ہنسنے والوں کو رلاتے ہیں ان کا دل پگھلاتے ہیں۔"

ھزل

اُن کا تلوّن رُت پھاگن کی
دن کو گرمی رات کو خنکی

روشن چہرہ کالی زلفیں
دن بھی ان کا رات بھی ان کی

پٹ جائیں گے حضرت واعظ
مجھ سے اگر لیں گے ٹن پھُن کی

باجرے کی کھائی ہے بہت دن
کھایئے اب روٹی کاگُن کی

جدّتِ قاتل، اللہ اللہ
پہلے دوا سے گردن سُن کی

ایک طرف عشاق کی آہیں
ایک طرف ندّاف کی دُھنکی

ہے یہی شاید فتنۂ محشر
گال پہ ان کے کالی بُنکی

سوزِ وفا میں جب بہے آنسو
آئی صدا ماچس چھن چھن کی

هزل

عشق اب میل سے بے میل ہوا جاتا ہے
میرا غم ان کے لئے کھیل ہوا جاتا ہے
مشغلہ اشک فشانی کا تھا پہلے بھی مگر
اب تو یہ شغل دھکا پیل ہوا جاتا ہے
حسن اور عشق کا جھگڑا بھی کوئی جھگڑا ہے
وہ لڑائی ہوئی، یہ میل ہوا جاتا ہے
حسن یوں خوش ہے کہ ہے تیسرے بچے کا نزول
عشق یوں خوش ہے کہ بچ میل ہوا جاتا ہے
گندھ کے پھولوں میں ترے سرو سے قد پر گیسو
خوشنما پھولی پھلی بیل ہوا جاتا ہے
حکم بیگم کے چلا کرتے ہیں جیلر کی طرح
اب مرا گھر بھی مجھے جیل ہوا جاتا ہے
اس قدر صَرف الٰہی مرے خونِ دل کا
اب محبت کا بجٹ فیل ہوا جاتا ہے
کہیں بجھ سکتا ہے ماچس یہ محبت کا چراغ
جسم کا خون ہی جب تیل ہوا جاتا ہے

هزل

اُن کی محبت کا قانون — کر گیا بالکل گون متھون
سوزِ محبت کے آگے — کیسی مئی اور کیسا جون
ہائے یہ قدرِ اہلِ وفا — سوچ کے کھولا جاتا ہے خون
اُن کی ماں تو کہیں مُردہ — اُن کے باپ کہیں ملعون
بی۔اے۔پاس کیا ہے تو جا — بیٹھ سڑک پر بھٹے بھون
حسن و عشق بھی کالج میں — خود ہیں بجائے اک مضمون
اُن کی چھت اور صحن ان کا — منصوری اور دہرہ دون
اُن کا تصور بھی اکثر — بن جاتا ہے ٹیلیفون
عشق کو سمجھو ایک مرض — حسن کو سمجھو اک معجون
دھوتی اور پاجامے کی — کاٹ رہے ہیں جڑ پتلون
واہ ری قسمت واہ رے دَور — مہنگا آٹا سستا خون

کون ہے ایسا گھر ماچسؔ
جو کہ نہیں میرا ممنون

هزل

زبانی ہو سکے گی دوست تعمیر مکاں کب تک
خیالی پاڑ باندھیں گی یہ لفظی بلّیاں کب تک
نہ سمجھیں گے تمھارے ہتھکنڈے اہلِ جہاں کب تک
چلے گا کام آخر دھاندلی سے میری جاں کب تک
اُڑیں گی ہر بنِ مو سے یونہی چنگاریاں کب تک
رہے گی یا الٰہی زندگی آتش فشاں کب تک
اجی دنیا ہنسے گی آپ کی اس بیوقوفی پر
زباں کو بند رکھیں گے بھلا اہلِ زباں کب تک
جناب شیخ کچھ تو قوتِ بازو بھی لازم ہے
چلیں گی غیر کے برتے پہ آخر روٹیاں کب تک
جفائیں کرنے والے یہ بھی سوچا ہے کبھی تو نے
منا سکتی ہے آخر خیریت بکرے کی ماں کب تک
ہنسوگے تم، ہنسوگے تم، ہنسوگے تم، ہنسوگے تم
اماں کب تک، اماں کب تک، اماں کب تک، اماں کب تک
یہ دھڑکا اور بھی دُبلا کئے دیتا ہے اے ماچس
خدا جانے جلائیں گے حسینانِ جہاں کب تک

ہزل

پھر اسے کوئی کیا کرے تیر اگر پڑا نہیں
آپ کی آنکھ کا قصور دل کی مرے خطا نہیں

حسرتِ دیدِ یار کی ناصحا تم کو فکر کیا
تم تو ضعیف ہو چکے آنکھوں سے سوجھتا نہیں

مستِ خرام اُچھل پڑا ڈانٹ کے میں نے جب کہا
دل کو مرے کچل دیا اندھا ہے دیکھتا نہیں

آئی ہوئی بہار میں ہائے ری نامرادیاں
باغ میں سب کے جھونجھ ہیں میرا ہی گھونسلا نہیں

پوچھ نہ ہم سے ناصحا دل کی نمک حرامیاں
اس طرح ان کا بن گیا جیسے ہمارا تھا نہیں

کیسا ہے یہ مذاق مری زندگی کے ساتھ
کیوں اے فلک یہ کھیل مری عاشقی کے ساتھ

جس مولوی کو آکے پڑھانا تھا میرا عقد
ٹھہرا ہے ان کا عقد اُسی مولوی کے ساتھ

نظر پر میری اس بت کی نظر یوں چھائی جاتی ہے
کہ جیسے ٹوکری پر ٹوکری اوندھائی جاتی ہے

پلٹتی ہے مری آہِ رسا یوں ان کے گھر جا کر
کوئی جادو کی ہانڈی جس طرح پلٹائی جاتی ہے

اثر ڈالا یہاں تک تیری زلفوں نے بصارت پر
کہ اب تو رات کیا دن کو رتوندی آئی جاتی ہے

حوادث جب کسی کو تاک کر چانٹا لگاتے ہیں
تو ہفتوں کیا مہینوں کھوپڑی سہلائی جاتی ہے

بتوں پر میں اگر مائل ہوں وہ حوروں پہ مائل ہیں
جنابِ شیخ میں بھی یہ حماقت پائی جاتی ہے

آؤ وہ ترکیب بتلا دیں پئے امن و اماں
جس کے آگے کوئی بھی ترکیب مستحکم نہیں

اس سے بہتر رفعِ شر کا ہو نہیں سکتا علاج
ہم سمجھ لیں تم نہیں ہو تم سمجھ لو ہم نہیں

ھزل

روحِ واعظ کے پھڑکنے کا مقام آتا ہے
دستِ ساقی سے مرے ہاتھ میں جام آتا ہے

میں ہی کیا فالتو دنیا میں ہوں اللہ مرے
جو بھی غم چلتا ہے سیدھا مرے نام آتا ہے

اونٹ کی طرح ہیں یہ شیخ و برہمن بدنام
ان ہی بیچاروں کا ہر بات میں نام آتا ہے

دونوں ہی ایک ہیں لاحول ہو یا لفظِ شراب
ایک شیطان کے، اک شیخ کے کام آتا ہے

سُنتے ہیں جتنی حسینوں سے سوا ہوں باتیں
اُتنا ہی حسنِ بیاں، حسنِ کلام آتا ہے

نار و جنت کی سناتا ہے خبر یوں واعظ
جیسے اخبار وہاں سے ترے نام آتا ہے

عشق کی راہ میں کچھ اور مقامات کے ساتھ
اک کچہری کے کٹہرے کا مقام آتا ہے

حاسد اس واسطے جلتے ہیں زیادہ ماچس
ہر جگہ اہلِ ادب میں ترا نام آتا ہے

نظم بعنوان تجارتی ڈاڑھی

میری دوکان اے مری ڈاڑھی — تیرے قربان اے مری ڈاڑھی
تیری شانِ نزول کے صدقے — اس ترے عرض وطول کے صدقے
تیرے سائے میں گر نہ یہ پلتی — توند ہرگز نہ پھولتی پھلتی
یہ گنہگار تیری آڑ میں ہے — میرا کردار تیر آڑ میں ہے
تو ہی قسمت مری بہار کی ہے — تو ہی ٹٹی مرے شکار کی ہے
دور رکھا سدا مجھے غم سے — ہے سب آؤ بھگت ترے دم سے
ہر طرف تیری حکمرانی ہے — تو تو شیطان کی بھی نانی ہے
پر یہ مردود ابھی خلاف ہے کیوں — تجھ سے شاعر کو انحراف ہے کیوں
یہ بھی اک کام کر مری ڈاڑھی — اس کو بھی رام کر مری ڈاڑھی
پھر تو قبضے میں سارا عالم ہے — تو سلامت ہے پھر تو کیا غم ہے

قطعہ
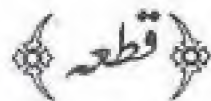
آرزوئیں ہوں جس قدر اے دل
سب ہیں بے کار اس سوال کے بعد
عشق پر آئے گی بہار اب تو
اُن کے والد کے انتقال کے بعد

ھزل

روئیے گا بھول کر اپنی یہ سب کِھل کِھل ابھی
ربط پر آنے تو دیجے داستانِ دل ابھی
دیکھئے پڑتی ہے کیا اس عشق پر مشکل ابھی
پاؤں تھُرّا ہو گئے کوسوں پہ ہے منزل ابھی
بائیں جانب اپنے سینے پر دھمکا ماریے
آپ کو ہو جائے گا احساسِ دردِ دل ابھی
تیرے ناوک کا برا ہو کیسا چپ چپ کر دیا
آغا مینا کی طرح کرتا تھا باتیں دل ابھی
لا کے اک لوٹن کبوتر سر ہلا کر چھوڑیے
بس کھلا جاتا ہے میرا اضطرابِ دل ابھی
ہٹ ترے نظروں کے دھوکے ہٹ ترے نظروں کے پھیر
دیکھنے میں سامنے اور دور ہے منزل ابھی
ہمدمو! ڈھونڈھو تو آخر یک بیک کیا ہو گیا
میرے سینے میں تو لپ لپ کر رہا تھا دل ابھی
بیٹھ چکا شمع کو بجھنے تو دے ماچس ذرا
خود تجھے وہ اٹھ کے ڈھونڈیں گے سرِ محفل ابھی

ہزل

اب کیا دھرا ہے کاہے پہ اترا رہے ہو تم
ہو گے کبھی حسینوں میں اب کیا رہے ہو تم

کرتے نہیں ہیں چاہنے والوں سے تو تکار
دیکھو اب اپنی حد سے بڑھے جا رہے ہو تم

ناصح تمھیں بڑی سانظر آ رہا ہوں میں
مجھ کو تو کچھ بڑی سے نظر آ رہے ہو تم

دیکھو یہ ہے پلنگ، یہ بستر مع لحاف
سردی میں بیٹھے کاہے کو ٹھٹھرا رہے ہو تم

ناصح ذرا بتاؤ نشیب و فرازِ عشق
خود کیا سمجھ چکے ہو جو سمجھا رہے ہو تم

خاموش ہو کے بزم میں طعنوں پہ غیر کے
ماچس کو اپنے سامنے جلوا رہے ہو تم

قطعہ

ختم جرمِ نگاہ ہو جائے
کاش واعظ کا بیاہ ہو جائے

خیریت سے گناہِ بے لذت
لذتِ بے گناہ ہو جائے

ہزل

کیوں گذار دی میں نے عمر لا اُبالی میں
ہتھکنڈے تو لاکھوں تھے میرے دستِ خالی میں
وقت کی خرابی سے سب نکل گئے گندے
جس قدر بھی انڈے تھے دامنِ خیالی میں
اُن کے در کا دربان آج گت بنا کے رکھ دیتا
ہم اگر نہ گھس جاتے ان کے گھر کی نالی میں
میرے دل کا جب چاہو تم بھی امتحاں لے لو
یہ بٹیر جیتا ہے ہر وفا کی پالی میں
تم بھی کتنے احمق ہو فرق لازمی ہوگا
ایک گانے والے میں ایک گانے والی میں
ان کے چاہنے والے کچھ تو آگرہ پہونچے
کچھ غریب جا جا کر مر گئے بھوالی میں
شیخ و برہمن دونوں رندِ پارسا بن کر
منھ ملائے لیٹے ہیں میکدے کی نالی میں
پارسا نگاہیں بھی جس کی سمت مُڑ جائیں
وہ اثر ہے اے ماچس اک حسیں کی تالی میں

هزل

اف یہ حرم کا حالِ زبوں — چار نمازی ٹرّوں ٹوں
وہ مل جائیں تو دیکھوں — ناصح پر چڑھ چڑھ بیٹھوں
میری محبت کو آخر — تاڑ گئے ان کے ماموں
آج بھی لب پر عشق کے ہے — شاباش! اے بیٹا مجنوں
پوچھتے ہیں وہ حالتِ دل — کوئی بتاؤ کیا کہہ دوں
ایک تو خم کو گرا کر رند — پیرِ مغاں کا کرتے ہیں خوں
پھر یہ کہہ کے تپاتے ہیں — چل رے مٹکے ٹامک ٹوں

کاش یہی ہو اے ماچس
جب وہ جلائیں تب میں جلوں

رباعی

منصوبے ہیں دل میں شیخ چلّی کی طرح
اغیار تکا کرتے ہیں بلّی کی طرح
اے دوست مری زیست کا احوال نہ پوچھ
بنتی ہے بگڑ بگڑ کر دلّی کی طرح

ھزل

کتنی مقبول دیوانگی ہو گئی
جس طرف منھ گھمایا ہنسی ہو گئی

سر پہ واعظ کے وہ اُسترا چل گیا
وہ اندھیرا چھٹا روشنی ہو گئی

مجھ پہ ہنستی ہے یہ اس پہ ہنستا ہوں
میں سِڑی ہوں کہ دنیا سڑی ہو گئی

اب تو ان کی محبت کا عالم یہ ہے
منہ لگائی ہوئی ڈومنی ہو گئی

اُف یہ جوشِ رقابت عدو جب ملا
مونچھ کھا کھا کے بل خود کھڑی ہو گئی

اللہ اللہ رہِ عشق کی ٹھوکریں
چار دن میں طبیعت ہری ہو گئی

آہِ سوزاں نے ماچس اثر تو کیا
اُن کی صورت تو کچھ سانولی ہو گئی

ھزل

بے وارثا جو کوئی سدھارا کبھی کبھی
یہ بھی پڑاؤ شیخ نے مارا کبھی کبھی

یوں امتحاں ہوا ہے ہمارا کبھی کبھی
یعنی بنا ہے خون سے گارا کبھی کبھی

کچھ سخت و سُست کہہ کے انھیں پڑ کے سو رہے
ڈوبا ہے یوں بھی صبح کا تارا کبھی کبھی

پھر بھی نہ کچھ جواب دیا اس شریر نے
آواز بھی بدل کے پکارا کبھی کبھی

آپ ایسے آپ ویسے کوئی آپ سا نہیں
پھیرا ہے ان پہ یوں بھی پُچارا کبھی کبھی

دیکھو تو انقلاب کی یہ بد مذاقیاں
کھلوا دیا ہے بھینس کا چارا کبھی کبھی

یہ بھی دکھا گئی ہیں تری سرد مہریاں
دل ہو گیا ٹھٹھر کے چھُوارا کبھی کبھی

پٹنے کے بعد بچ جو رہے ہم نے کر لیا
اُن گرم آنسوؤں سے غرارا کبھی کبھی

کھا کھا کے ان کی مار کبھی چپ بھی ہو رہا
جھلا کے نامہ بر نے بھی مارا کبھی کبھی

لڑ لڑ کے اُن کے در کے نگہباں سے بے سبب
اس آڑ میں کیا ہے نظارا کبھی کبھی

ماچس تپا تپا کے جلایا جہان نے
برسات نے تو اور بھی مارا کبھی کبھی

چار اشعار

سلیقے سے جو وہ محفل سجی ہے
عنایت یہ ہماری جیب کی ہے

برابر جوتیوں میں بٹ رہی ہے
اسی سے دال مہنگی ہو گئی ہے

بڑی امید تھی جس سے وطن کو
وہی گنگا اب الٹی بہہ رہی ہے

سرِ محشر گنہگاروں کی صف میں
اماں دیکھو تو کتنا مولوی ہے

ھزل

جب کہ ماضی سے بہت پست بھی حال اچھا ہے
پھر تو مستقبلِ رنگیں کا خیال اچھا ہے

جس کا جو ذوق ہو اس کو وہی آتا ہے پسند
میں تو کہتا ہوں کہ دونوں کا خیال اچھا ہے

کچھ الکشن میں تو کچھ نام پہ غالبؔ کے کماؤ
اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

چارہ گر کہتے ہیں بس موت کی باقی ہے کسر
اور ہر طرح سے بیمار کا حال اچھا ہے

نہیں معلوم اگر سانپ کا منتر تو نہ پھنس
ہاتھ اس سانپ کی بانبی میں نہ ڈال اچھا ہے

جو بھی ہارے گا وہی گالیاں دے گا اس کو
جس برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

ڈھونڈیے خیر سے جا کر کوئی موٹی سُسرال
ہاتھ جو مفت میں آئے تو وہ مال اچھا ہے

بین ہی بین گذرتے رہو اس وادی سے
نہ حرام اچھا ہے بالکل نہ حلال اچھا ہے

ایک ہم تھے جو سیاست میں کما پائے نہ کچھ
ورنہ ماضی کے فقیروں کا بھی حال اچھا ہے

جتنے ہیں دہر میں ہاتھوں کی صفائی کے کمال
سب سے اے دوست گرہ کٹ کا کمال اچھا ہے

جس کی بچپن ہی میں شادی ہو وہ کیا جانے غریب
عشق میں ہجر ہے بہتر کہ وصال اچھا ہے

اور تو کچھ بھی نہیں حضرتِ ماچس لیکن
آپ میں آگ لگانے کا کمال اچھا ہے

﴿چار اشعار﴾

کونسل میں اک سے اک جب جانور آنے لگے
کیوں نہ وہ زندہ عجائب گھر نظر آنے لگے

دہنے بائیں دیکھتے، ڈرتے، جھجکتے، سوچتے
رفتہ رفتہ یوں وہ آخر میرے گھر آنے لگے

پا کے آزادی وطن نے کی ترقی اس قدر
اب ہر اک کو دن میں بھی تارے نظر آنے لگے

آگیا کیسا خداوندا! جہاں میں انقلاب
پاؤں کے جوتے بھی اب بالائے سر آنے لگے

ھزل

جنونِ شوق بھلا انتخاب کیا جانے
نظر شباب کی اچھا خراب کیا جانے
کہاں زبان ہماری کہاں زبانِ رقیب
جو شہد میں ہے لطافت وہ راب کیا جانے
نقاب پھاڑ کے پہونچے گی اُن کے چہرے تک
رُکاوٹیں نگہہ کامیاب کیا جانے
جو صَرف ہوتا ہے ہر سال کی مرمّت میں
حساب وہ دلِ خانہ خراب کیا جانے
یہی سمجھ کے بس اب بخش دے کریم مرے
پڑھا لکھا ہی نہیں ہے حساب کیا جانے
جو اُسترے سے تعلق پہ ناز کرتی ہو
وہ ریش غیر مہذّب خضاب کیا جانے
کہاں غرور کہاں انکسار لازم ہے
یہ جھول جھال وہ مستِ شباب کیا جانے
ملے سکون جلانے میں جس کو اے ماچسؔ
وہ دل جلوں کا بھلا اضطراب کیا جانے

ہزل

کیا کرے حسرتوں کے ریلے میں
زندگی پھنس گئی جھمیلے میں

فیصلہ ایک دن ہے ناصح کا
دستِ وحشت کے ایک ڈھیلے میں

فطرتِ حسن میں جفائیں ہیں
تلخیاں نیم اور کریلے میں

ہجر رکھو نہ عشق کی اجرت
کام پیسے کا لو نہ دھیلے سے

جل کے ناصح کی خر دماغی پر
میں نے بندھوا دیا طویلے میں

بارِ غم لادیے نہ حد سے سوا
جوت کر زندگی کے ٹھیلے میں

دیکھیے کیا ہو عشق کا انجام
روز و شب ہر طرف کی لے لے میں

کیوں نہ جل جائے دیکھ کر ماچس
ساتھ دشمن کے اُن کو میلے میں

ھزل

وہ کیا عشق جس میں یہ اوّل نہ ہو
کہ دس بیس سے سر پھٹوّل نہ ہو

نظر ان سے لڑ تو گئی ہے مگر
یہ ٹیڑھی کہیں نشتِ اوّل نہ ہو

یہ ہے اُن کا عشق اور یہ قانونِ عشق
یونہی جان دو منہ دکھوّل نہ ہو

خبر دار دل اُن کے در کے سوا
کسی در پہ بھی سر جھکوّل نہ ہو

رہیں غنچہ و گل کے چہرے خراب
جو ہر صبح کو منہ دھلوّل نہ ہو

کہاں وہ زمانہ کہاں ویسے لوگ
کہ ناکوں پہ مکھی بٹھوّل نہ ہو

ثمر جو محبت کا ہو وہ ملے
الٰہی بس اب پھل بجھوّل نہ ہو

زمانے میں ماچس ؔ یہ ممکن کہاں
محبت ہو اور دل جلوّل نہ ہو

هزل

ہاں شیخ و برہمن کے برابر تو نہیں ہوں
لیکن مری جاں قوم پہ دوبھر تو نہیں ہوں

جو اچھے برے شعر ہیں خود کاشت ہیں میری
اوروں کی بتائی پہ سخنور تو نہیں ہوں

کافی ہے مجھے ایک ہی محبوب کی چاہت
گھستا پھروں گھر گھر میں چھچھوندر تو نہیں ہوں

پھر کس لئے اولوں کے حوادث کی ہے بارش
اللہ میں منڈوائے ہوئے سر تو نہیں ہوں

کیوں سوزِ نہاں مجھ کو پریشان نہ کردے
میں چائے بنانے کا سماور تو نہیں ہوں

رکھئے گا ذرا ڈانٹ ڈپٹ پاس ہی اپنے
عاشق ہوں کوئی آپ کا نوکر تو نہیں ہوں

محفل تری کیوں دیکھتی ہے مجھ کو بہ نفرت
پیسے ہی سے کمزور ہوں لوفر تو نہیں ہوں

ماچس مجھے کیوں آتشِ الفت نہ جلا دے
انسان ہوں انسان سمندر تو نہیں ہوں

هزل

لاسے کا بانس لے کر ظالم چلا ہے گھر سے
اے اہلِ باغ بچنا صیاد کی نظر سے

انکار کر رہے ہیں میرے دل و جگر سے
جب لی گئی تلاشی نکلے انھیں کے گھر سے

بے کار اب گلہ ہے اس حسن فتنہ گر سے
پہلے ہی کیوں نہ جانچا ہر نقطۂ نظر سے

صیاد جب اچھالے کیوں لد سے گر نہ جائیں
پرواز کا تعلق ہوتا ہے بال و پر سے

زاہد سے جب یہ پوچھا دُبلے ہو اس قدر کیوں
کہنے لگا کہ بھائی ''اللہ میاں'' کے ڈر سے

اہلِ جہاں کو جو کچھ شک ہے وہی رہے گا
دیکھو کسی حسیں کو چاہے کسی نظر سے

پروانے کی حماقت گر اپنی جان دے دی
کیوں شمع گل نہ کر دی ناداں نے اپنے پر سے

صورت تو ہے رو ہانسی آنسو نہیں نکلتے
جیسے گھٹائیں اُمڈیں پانی مگر نہ برسے

ہزل

نہ وہ بلبل میں رکھی ہے نہ پروانے میں رکھی ہے
جو اس نے آتشِ عشق اپنے دیوانے میں رکھی ہے

مَرے پر اس کو سَو دُرّے نہ کہیے پھر تو کیا کہیے
ترے عاشق کی میت ڈاکٹر خانے میں رکھی ہے

حرام اس کی ہے اک منزل حلال اس کی ہے اک منزل
نہ جانے کیا صفت انگور کے دانے میں رکھی ہے

تجاہل دیکھئے واعظ کا فرماتے ہیں رندوں سے
یہ کیا شئے سامنے ساقی کے پیمانے میں رکھی ہے

ذرا دیکھو تو اس پیرِ مغاں کی دور بینی کو
منگا کر شیخ کی تصویر میخانے میں رکھی ہے

لگی کچھ ہُونس ایسی شیخ بیچارے کی صحت پر
کہ اب تو آئے دن ڈولی دواخانے میں رکھی ہے

محلّہ خوش نہ ان کے باپ ماں خوش اور نہ درباں خوش
کسی دن مار پیٹ اب ان کے گھر جانے میں رکھی ہے

نہ بالوں میں سیاہی ہے نہ منہ میں دانت واعظ کے
گزر اب کون سی ملکِ عدم جانے میں رکھی ہے

ہزل

یا مرے ناصح کے پہلو میں یقیناً دل نہیں
یا پھر اس سے بڑھ کے دنیا میں کوئی جاہل نہیں

سوچتا ہوں یہ کہ اس گڑ بڑ سے کچھ حاصل نہیں
آہ سے دنیا الٹ دینا کوئی مشکل نہیں

ان کو رتی بھر تری پروا اگر اے دل نہیں
تجھ کو لازم ہے کہ ان سے زندگی بھر مل نہیں

زور سے اک لات دھر دی قیس جب آیا قریب
اونٹ بھی لیلیٰ کا اپنے کام سے غافل نہیں

حضرتِ دل ان کی زلفوں تک رسائی کر چکے
میں تو یہ سمجھا تھا یہ بیٹا کسی قابل نہیں

ان کا کہنا جھٹ سے لیٹو ذبح میں ہوتی ہے دیر
اور مرا گھگھیا کے کہنا اے مرے قاتل نہیں

دیکھ کر مکتب میں اکثر قیس اور لیلیٰ کا حال
ذکر تھا لڑکوں میں اچھا ان کا مستقبل نہیں

حضرتِ واعظ جوانی اور حسن و مے سے دور
واقعی تم سے پڑھا لکھا کوئی جاہل نہیں

اُس کو قاتل کہنے والا اور کوئی ہوتا ہے کون
میرا قاتل ہے کسی کے باپ کا قاتل نہیں

مجھ کو پیسے دینے والے کس قدر اندھے تھے لوگ
یہ نہیں سوچا کہ دیوانہ ہوں میں سائل نہیں

آپ کا پیکاں تھا یا الفت کے کیڑوں کا "فتیل"
اب مرے سینے میں ارمانوں کی وہ کل بل نہیں

دل کا دہلانا کہ وہ موت آئی اٹھ مقتل سے بھاگ
عزم کا کہنا کہ دیکھ اپنی جگہ سے ہل نہیں

اس قدر جلنا پڑا ماچس کہ عادی ہو گئے
پھنک رہا ہے دل مگر احساسِ سوزِ دل نہیں

ہزاروں وسوسے رہتے ہیں دنیائے محبت میں
کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے
عدو کی موت پر اپنی خوشی کا خواب دیکھا ہے
خداوندا ! کہیں یہ واقعہ الٹا نہ ہو جائے

هزل

کچھ تھے نالاں آپ اپنے دل سے ہم
کچھ ہیں عاجز ان کی اس کھل کھل سے ہم

یہ سمجھ کر موت کا اک وقت ہے
خوب لڑایا کیے قاتل سے ہم

کچھ ہے شکوہ اونٹ کی رفتار کا
کچھ ہیں شاکی پردۂ محمل سے ہم

جب وہ آ جائیں جگا لینا ہمیں
سو رہے یہ کہہ کے اپنے دل سے ہم

چل چکی جس دم رقیبوں پر چھری
بھاگ نکلے کوچۂ قاتل سے ہم

آپ کو اور عشق دونوں کو سلام
باز آئے روز کی بِکل بِکل سے ہم

روز و شب جلتے ہیں اور خاموش ہیں
بن گئے ماچس کس آب و گل سے ہم

ہزل

ہمیں ایسے بھی موقعے شاعری میں چند بار آئے
نہ اچھا کہہ سکے مطلع تو چھدّا ہی اُتار آئے

اناڑی شیخ صاحب کو نہ جان اے پیرِ میخانہ
یہ میخانے کا میخانہ سُڑک لیں جب ڈکار آئے

مرا دل شہد کی مکھی کے چھتّے کا نمونہ ہے
یہ لیجے ایک دو ارماں گئے وہ تین چار آئے

شباب آیا تو اب وہ عاشقوں پر کیوں نہ پھنکاریں
جو ان کے جسم پر بچپن کی کینچل تھی اتار آئے

میں ان کو دیکھنے جاؤں وہ مجھ کو دیکھنے آئیں
کبھی ان کو بخار آئے کبھی مجھ کو بخار آئے

جمائی دھاک یوں اپنے جنوں کی ہر محلے میں
یہ ڈاڑھی نوچ ڈالی اس کو کاٹا اس کو مار آئے

خزاں جائے خزاں جائے خزاں جائے
بہار آئے بہار آئے بہار آئے

اثر اتنا تو ماچس نالۂ سوزاں میں پیدا کر
کہ خود وہ شمع رو تیری طرف پروانہ وار آئے

ھزل

رات کو محفل میں کیا تھا صبح دیکھا کیا ہوا
شمع تھی اوندھی ہوئی قالین تھا الٹا ہوا

دیکھیے جس کو وہی ہتھے سے ہے اکھڑا ہوا
ہائے یہ اچھی بھلی انسانیت کو کیا ہوا

یک بیک کھل کر قفس کا در جو فرّاٹا ہوا
اڑ گیا رنگِ رخِ صیاد وہ چرکا ہوا

تنگ ظرفی پر کنویں کی چیختا روتا ہوا
خدمتِ انساں میں آخر سرنگوں بمبا ہوا

حسن اور اپنی جفائیں چھوڑ دے اچھی کہی
کوئی کہہ دے ہیجڑے کے گھر کہیں لڑکا ہوا

دیدنی تھا ساربان کا، لے کے ڈنڈا دوڑنا
دیدنی تھا قیس جب بھاگا ہے بتاتا ہوا

دیدنی تھا ان کی محفل سے نکلنے کا سماں
آنکھ نم، ماتھا عرق آلود، منہ لٹکا ہوا

درس ہے دونوں کا مقصدراہ لیکن مختلف
کوئی شاعر ہو گیا اور کوئی مولانا ہوا

هزل

نظمِ جہاں کو زیر و زبر دیکھتا ہوں میں
مادہ کے اختیار میں نر دیکھتا ہوں میں

آنکھوں پہ بن رہی ہے اگر دیکھتا ہوں میں
یہ جانتا ہوں ان کو مگر دیکھتا ہوں میں

میں دیکھتا نہیں ہوں اگر دیکھتے ہیں وہ
وہ دیکھتے نہیں ہیں اگر دیکھتا ہوں میں

واعظ نے مجھ میں دیکھی ہے ایمان کی کمی
واعظ میں صرف دُم کی کسر دیکھتا ہوں میں

اب یہ ہوئی ہے جلوہ نمائی کی انتہا
وہ سامنے ڈٹے ہیں جدھر دیکھتا ہوں میں

اللہ رے رعب و داب جنوں بھاگتا ہے وہ
جس کی طرف اٹھا کے نظر دیکھتا ہوں میں

کہتی ہے ہر گرہ کہ رہائی محال ہے
جب چونچ سے ٹٹول کے پر دیکھتا ہوں میں

جس وقت مل کے پڑھتے ہیں دونوں کتابِ عشق
وہ زیر دیکھتے ہیں زبر دیکھتا ہوں میں

هزل

دمِ نزع کیوں رو رہے ہو لپٹ کے
کبھی آ کے پوچھا کبھی پاس پھٹکے

بھری بزم میں رہ گیا میں تو کٹ کے
کہا اس نے جس دم ادھر بیٹھ ہٹ کے

محبت میں ان کی رہوں گا نہ گھٹ کے
اگر غیر سے مونچھ انکی تو اٹکے

کچھ ایسی تھی گل گیر کی بد تمیزی
بھری بزم میں رہ گئی شمع کٹ کے

ازل میں ملا تھا مجھے جب مقدر
وہیں دیکھنا تھا الٹ کے پلٹ کے

ارے چارہ سازو! مرا دل تو دیکھو
یہ کیا دیکھتے ہو پپوٹے پلٹ کے

سمجھنا کہ میں یاد کرتا ہوں تم کو
تمھارے گلے میں نوالہ جب اٹکے

چلے جا رہے ہیں عدم کے مسافر
ارے اتنا لمبا سفر بے ٹکٹ کے

هزل

جو ہیں ناواقف وہ مجھ کو جان لیں
جاننے والے مجھے پہچان لیں

آپ اگر کہنا ہمارا مان لیں
کیوں کسی کا سر پہ ہم احسان لیں

خُمس تو شیخ اور برہمن دان لیں
سود رستوگی، منافع خان لیں

دفتروں میں رشوتوں کے وار ہوں
ٹیکس کے حملے بھی کچھ اوسان لیں

وہ ہماری بھی تو مانیں کوئی بات
کیوں ہمیں ہر بات ان کی مان لیں

کیا بچے بتلایئے پھر وہ غریب
آٹھ دس مل کر جو اک کی جان لیں

گھر میں بیگم راستے میں اہلِ حسن
سب کے سب بلّم ادا کے تان لیں

آپ کو پھانسی نہ ہو جائے کہیں
ہم اگر مرنے کی دل پر ٹھان لیں

ھزل

کیونکر پھروں نہ سوزشِ پیہم لئے ہوئے
آتش فشاں مزاج ہیں بیگم لئے ہوئے

واعظ کی میری جانچ ہوئی حشر میں تو میں
نکلا گناہ ان سے بہت کم لئے ہوئے

کرتا نہ جرمِ عقد جو میں جانتا یہ راز
جنت گھسے گی گھر میں جہنم لئے ہوئے

کس طرح کوئے یار میں جاؤں میں ہم نشیں
دربان دوڑ پڑتا ہے بلّم لئے ہوئے

سمجھا سکا نہ مجھ کو کبھی ناصحِ غریب
دنیا سے چل بسا وہ یہی غم لئے ہوئے

اے دوست لیڈروں کی غذا کا نہ پوچھ حال
جو پیٹ ہے وہ مرغِ مسلّم لئے ہوئے

خود لُٹ گئے ہیں شیخ و برہمن تو اس سے کیا
ہیں ان کے پیٹ تو وہی دم خم لئے ہوئے

جس دن کہو زمانے کا حلیہ بگاڑ دے
ماچس کا ایک نالہ ہے سَو بم لئے ہوئے

ہزل

آنکھیں نکل آئی ہیں مری سانس رکی ہے
جلد آ ! کہ تری یاد گلا گھونٹ رہی ہے

دعوت کی تری بزم میں کیوں دھوم مچی ہے
کیا بات ہے کیا کوئی نئی جیب کٹی ہے

واعظ کو جو دیکھو تو گھٹا ٹوپ اندھیرا
ساقی کو جو دیکھو تو کرن پھوٹ رہی ہے

کیا ہے جو نہیں یہ اثرِ ربطِ محبت
روئے تو ہیں وہ اور مری آواز پڑی ہے

سائے کی تمنا میں جہاں بیٹھ گیا ہوں
چندیا پہ وہیں تاک کے دیوار گری ہے

چھوٹے نہیں چھٹتی ہے ترے وصل کی حسرت
یہ جونک مرے دل کا لہو چوس رہی ہے

وہ ان کا زمانہ تھا جہاں عقل بڑی تھی
یہ میرا زمانہ ہے یہاں بھینس بڑی ہے

پھر کیا ہے جو ماچس نہیں یہ سوزِ محبت
اک برق سی رگ رگ میں مرے کوند رہی ہے

ھزل

جب محبت کو محبت سے بھڑی ملتی ہے
زندگی حسن کے قدموں میں پڑی ملتی ہے

اب تو جس دل کو ٹٹولو وہ لئے بیٹھا ہے عشق
اب تو جس آنکھ کو دیکھو وہ لڑی ملتی ہے

جب بھی جاتا ہوں میں گھر ان کے تو مجھ سے پہلے
ہر تمنا درِ دولت پہ کھڑی ملتی ہے

دہر میں سلسلۂ حسن و محبت ہے جہاں
ٹانگ بھی حضرتِ ناصح کی اڑی ملتی ہے

یہ کسی دن کہیں میری نہ خبر لے ڈالے
ہاتھ میں باپ کے تیرے جو چھڑی ملتی ہے

فطرت انساں کی اسے جھک کے اٹھاتی ہے ضرور
اک اکنی بھی کہیں پہ جو پڑی ملتی ہے

میرے اشکوں کے تسلسل کی کہاں کوئی مثال
کچھ جو ملتی ہے تو ساون کی جھڑی ملتی ہے

تاؤ آتا ہے تری وعدہ خلافی پہ کچھ اور
صبح ارمانوں پہ جب اوس پڑی ملتی ہے

سنتے ہیں نیند ہی اڑ جاتی ہے بیچارے کی
جس کو سسرال سے سونے کی گھڑی ملتی ہے

فن کو استاد سے سیکھیں تو یہ غیرت کی ہے بات
اور کہیں فن کی نہ بوئی نہ جڑی ملتی ہے

یاد آتا ہے بہت عہدِ گذشتہ اے دوست
راستے میں جو کوئی مونچھ کھڑی ملتی ہے

دل کی گنجائشیں جب ختم ہوا کرتی ہیں
بات چھوٹی بھی اگر ہو تو بڑی ملتی ہے

ہائے وہ شمع کہ جو صبح کو ماچس سرِ بزم
پاس پروانے کی میت پہ پڑی ملتی ہے

کس کو نصیب بات جو میرے سخن میں ہے
یہ خبط آج کل کے ہر اک اہلِ فن میں ہے

کاٹا کرے پہاڑ کوئی کوہ کَن ہزار
لیکن کہاں وہ بات جو اک گور کن میں ہے

اپنے وطن کی بھینس سے کیوں بدگماں ہیں آپ
ڈوبا کہاں ہے وہ جو ابھی دودھ تھن میں ہے

غالبؔ سے خطاب

سنو، گو شاعری میرے لئے ہے دردِ سر غالبؔ
مخاطب کر رہا ہوں آج میں تم کو مگر غالب

ہوئی ہے کیسی دنیائے ادب زیر و زبر غالبؔ
تمھیں لیکن کہاں اس بات کی ہو گی خبر غالب

ہنر مندوں پہ غالب آ گئے ہیں بے ہنر غالبؔ
جو نا بینا ہیں بن بیٹھے ہیں وہ اہلِ نظر غالب

گیا وہ دورِ استادی کا جب معیار ہوتا تھا
وہ اب استاد ہے جو شعر کہہ لے سال بھر غالبؔ

وہ دن بھی تھے کہ جب استاد پر شاگرد غالب تھا
یہ دن بھی ہیں کہ اب شاگرد ہے استاد پر غالبؔ

اگر دیکھو عجائب خانۂ تہذیبِ حاضر کو
نظر آئے گا اک سے اک انوکھا جانور غالبؔ

مزہ یہ ہے جو شاعر ان کے اُن کے شعر پڑھتے ہیں
بنے پھرتے ہیں وہ استادِ عصر و دیدہ ور غالب

وہ اہلِ فن ہیں لکھواؤ تو آتا عین سے لکھیں
جو پڑھواؤ تو پڑھ دیں مفتخر کو مفت خر غالب

اگر پوچھو "روی" کیا شے ہے "ایطا" کس کو کہتے ہیں
تو فرماتے ہیں اک ہے ایکٹرس اک ایکٹر غالب

اگر شیر و شکر ہونے کے معنی پوچھ لو ان سے
تو کہتے ہیں کہ جب مل جائے شیرے میں شکر غالب

نظر میں ان کی "ایطائے جلی" یہ ہے "خفی" یہ ہے
ملیں سطریں جو موٹی اور مہین اخبار پر غالب

بفیضِ جہل اسے نامور غالب پڑھ کے رکھ دیں گے
جہاں لکھا ہوا دیکھیں گے ظالم نامور غالب

اگر بحروں کو پوچھو پہلے بحرِ ہند آئے گا
وغیرہ پھر لگے گا بحرِ اوقیانوس پر غالب

نہ کچھ ہونے پہ یہ عالم ہے ان کی خر دماغی کا
کہ ہر ہے میر، ہر مومن ہے، ہر آتش ہے، ہر غالب

نہ پوچھو ناشناسانِ ادب کی گندہ گردی نے
عروض و فن کی کیسی توڑ رکھی ہے کمر غالب

اِدھر اُبھرا کوئی کچھ ناک نقشہ یا گلا لے کر
لگا لیتے ہیں یارانِ طریقت راہ پر غالب

بہارِ شاعری آتی ہے اس شاعر پہ پھٹ پھٹ کر
جہاں اُگنے لگا سبزہ درو دیوار پر غالبؔ

سخن نا آشنا دنیا اسے سر پر بٹھائے گی
ملے گا اس کو مہمل گو سے مہمل گو اگر غالبؔ

خوشامد، جوڑ توڑ اور پارٹی بندی ہے فنکاری
اماں! اب علم وفن کا کس پہ ہوتا ہے اثر غالبؔ

کسی کی میل ملّت ہو اگر اخبار والوں سے
تو ناموزوں چھپیں گے شعر اس سے مانگ کر غالبؔ

پڑھیں گے ناظرین ایسے لچر اشعار بھی جن کا
نہ ہوگا پیر غالبؔ جن کا کوئی اور نہ سر غالبؔ

وگرنہ ٹوکری ردّی کی حاضر ہے پئے خدمت
ادب کی کب ہیں ذمہ داریاں اخبار پر غالبؔ

سخن فہمی جنہیں نا قابلِ برداشت کہتی ہے
طرفداری نے بندھوائے ہیں سہرے ان کے سر غالبؔ

کسر وہ بھی نہ چھوڑے گی قسم کھالی ہے دنیا نے
عروض وفن کے مٹنے میں جو باقی ہے کسر غالبؔ

پریشاں تھے مفاعیلن، فعولن کے جو چکر سے
مفاعیلن، فعولن سے ملی ان کو مفر غالبؔ

سنو اور اک لطیفہ وہ ادب کا شوق چڑایا
کہ مادائیں ہوئی جاتی ہیں اس میداں میں نر غالبؔ

تعصب نے بھلا ڈالی جنھیں تاریخ اردو کی
ہیں ایسے اس وطن میں تنگ ذہن و کم نظر غالبؔ

یہاں سے جانے والے اہلِ فن سے حال سن سن کر
گذرتے ہوں گے صدمے کیا تمھاری جان پر غالبؔ

یقیں ہے مجھ کو اس شعر و سخن کی بدمذاقی پر
اگر تم آج ہوتے پیٹ لیتے اپنا سر غالبؔ

اگر ردِ بلا کا ہو کوئی نسخہ تو بھجوا دو
بلائیں اتنی نازل ہیں ادب کی جان پر غالبؔ

تمھارے دَور سے اس دَور نے اتنی ترقی کی
وہاں تھا مبتدا پہلے، یہاں پہلے خبر غالبؔ

مزہ دیتی ہے دنیائے ادب اب تو جہنم کا
ارے او گوشِ فردوس! اے مرے جنت نظر غالبؔ

کہاں ایسا کوئی شاعر جو چھائے یوں زمانے پر
یہاں غالب، وہاں غالب، اِدھر غالب اُدھر غالبؔ

جلانا چاہتا تھا اور بھی ماچس زمانے کو
مروّت سے کہے اشعار لیکن مختصر غالبؔ

غالبؔ چچا

خوب پیدا کر رہے ہو نام اے غالبؔ چچا
یہ دکھایا سب سے اونچا کام اے غالب چچا

چھانٹ کر ہم کو بھی یار! ایسی بتاؤ گُر کی بات
جھاڑ دیں ہم بھی کوئی انعام اے غالب چچا

شاہ تک پہونچے تھے تم کیونکر لگا کر جوڑ توڑ
جب تو یہ رائج نہیں تھا کام اے غالبؔ چچا

کیسے دربارِ: ہوئے شاعر تمھارے ساتھ جب
تھے خوشامد خاں نہ مکھن رام اے غالبؔ چچا

وہ تمھارے شعر پیچیدہ خمِ کاکُلِ مثال
جن میں ہو ابہام ہی ابہام اے غالبؔ چچا

ایسے شعروں پر اگر اس وقت سر دھنتے تھے لوگ
تب تو اونچا تھا مذاقِ عام اے غالبؔ چچا

وہ زمانہ دوسرا تھا یہ زمانہ اور ہے
اُس زمانے کا نہ لو اب نام اے غالبؔ چچا

پوچھتے کیا ہو بھتیجے سے ادب کا حالِ زار
ہے بڑا مایوس کن انجام اے غالب چچا

اب گلے بازی کا شاعری کی ہے ڈگری میں شمار
ہے بھنڈیتی کا ظرافت نام اے غالب چچا

آج کے شاعر کی منطق میں تو ہے بالکل فضول
ڈاکٹر اقبال کا پیغام اے غالب چچا

دورِ سائنس اور نرگس اپنی بے نوری پہ روئے
یوں جہالت کو کرے بدنام اے غالب چچا

اب تو ہو سکتا ہے پیدا دیدہ ور ہر جمعہ کو
اب ہزاروں سال کا کیا کام اے غالب چچا

اک طرف طوفاں اٹھا رجعت پسندی کے خلاف
جب عروض وفن نے پوچھا نام اے غالب چچا

ضد ہوئی جدت پسندوں کو کہ مٹ جائے ادب
اتنا چوپٹ ہو مذاقِ عام اے غالب چچا

کہہ دیا یہ بلبل وگل دو الگ چیزیں ہیں جب
ساتھ کیوں دونوں کا آئے نام اے غالب چچا

اس کو لیجے گل لگا ہے جس کی دُم کے ساتھ ساتھ
کیجئے گلدُم کا چرچا عام اے غالب چچا

باندھتا ہے ڈبلی ڈبلی صبح کوئی نظم میں
اور کہیں ہے سوکھی سوکھی شام اے غالب چچا

بھیگی بھیگی دھوپ پھیلی ہے تو بچھے ہیں کہیں
گیلی گیلی چاندنی کے دام اے غالب چچا

گیت لکھتا ہے کوئی کشمیر کے اخروٹ پر
ہیں کہیں پستے کہیں بادام اے غالب چچا

کھوپرے کی ہیں کہیں بتیاں دلھن کی گود میں
گھر کا دولھا کے کہیں نیلام اے غالب چچا

گھس پڑے پھر نامہ بر کیوں نامہ و پیغام میں
جب کہ ٹیلیفونیت ہے عام اے غالب چچا

یوں ہر اک بزمِ ادب میں بانگ پر دیتا ہے بانگ
ایک سے اک مرغِ بے ہنگام اے غالب چچا

جس کی دُم کا اور منہ کا کچھ پتہ چلتا نہیں
اُس ادب کا ہے ترقی نام اے غالب چچا

ایک تو تصویر کا یہ رُخ ہے پیشِ خاص و عام
دوسری جانب یہ ہیں اقدام اے غالب چچا

ایسے کچھ شاعر جنھیں شاعر نہ کہنا چاہیے
جن سے ہے علم و ادب بدنام اے غالب چچا

زندگی میں کچھ نہیں ہے کام بس اس کے سوا
یوں بچھاتے پھر رہے ہیں دام اے غالب چچا

جس طرح بھی ہو کہیں علم و ادب جمنے نہ پائے
ہے یہ سازش ان کا شغلِ عام اے غالب چچا

چاہتے ہیں بس وہی وہ ہر جگہ آئیں نظر
کر کے اہلِ نام کو گمنام اے غالب چچا

من تو را حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو
ہیں یہ جاری نامہ و پیغام اے غالب چچا

بیوقوفوں کی سمجھ میں یہ نہیں آتی ہے بات
جوڑ توڑ آئے گا کب تک کام اے غالب چچا

جوہرِ ذاتی کو دنیا میں دبا سکتا ہے کون
منہ کی کھاتا ہے خیالِ خام اے غالب چچا

خیر اب چھوڑو ہٹاؤ بد مذاقی کا یہ ذکر
کیا بتاؤں میں کسی کا نام اے غالب چچا

ایک دو کا ذکر کیا ؟ ہے کمپنی کی کمپنی
ہے سبھی کا ایک ہی حمام اے غالب چچا

اب ادب کے واسطے خود ساختہ اہلِ ادب
بن گئے ہیں گردشِ ایام اے غالب چچا

دو تمھارے 'ذوق' امانت ہیں ملیح آباد میں
اک جناب جوشؔ ہیں اک آم اے غالب چچا

آم کا تو فصل پر اور جوشؔ کا بے فصل بھی
سنتا رہتا ہے زمانہ نام اے غالب چچا

قدر گوہر شاہ داند کا سبق گو دے گیا
تھا بہادر شاہ جس کا نام اے غالب چچا

یا بداند جوہری کی ساکھ جو گرنے نہ دے
وہ جواہر لعل کا تھا کام اے غالب چچا

بعد مرنے کے زباں کی تم نے خدمت کی وہ دوست
جس میں زندے رہ گئے ناکام اے غالب چچا

یہ تو باتیں تھیں ادب کی اب سنو مطلب کی بات
تم نے دنیا کو کیا ہے رام اے غالب چچا

کچھ حکومت تک ہمارا بھی لگاؤ جوڑ توڑ
کچھ بھتیجے کے بھی آؤ کام اے غالب چچا

تم کو کیا معلوم چلتا ہے اسی صورت سے کام
اب یونہی ہوتا ہے اونچا نام اے غالب چچا

یار کہنا مان لو میرا کہ بالکل آج کل
قابلیت کا نہیں ہے کام اے غالب چچا

ہے یہی موقع سفارش تم کرو گے جس سے بھی
ٹالنے کا وہ نہ لے گا نام اے غالب چچا

اور اگر ٹالے تو دھمکی دو بلانے کی وہاں
دیکھو پھر بنتا ہے کیسا کام اے غالب چچا

دھونس یہ بھی دو کہ جب چاہیں لگا سکتے ہیں آگ
حضرتِ ماچس ہے جن کا نام اے غالب چچا

ھزل

جیسے اسلام میں ہے رسم مسلمانی کی
ویسے ہی عشق میں ہے چاک گریبانی کی
گت یہی خون کی ہوتی ہے جو ہے پانی کی
رُت بدل جاتی ہے جب فطرتِ انسانی کی
حشر میں ہو گئی صحت مرضِ عصیاں سے
ایک خوراک دوا پی کے پشیمانی کی
سوکھ کر ہو چکا ہے زرد مریضِ غمِ ہجر
فصل اب کٹنے ہی والی ہے پریشانی کی
دونوں درخواستیں اس شوخ نے خارج کر دیں
پہلے تو وصل کی اور پھر نظرِ ثانی کی
زندگی کاٹ دی جل جل کے جہاں میں ماچس
واقعی تو نے بڑی عشق میں قربانی کی

شکوۂ اقبال
(پیروڈی)

کیوں نمکخوار بنوں زود فراموش رہوں
فکرِ زردہ نہ کروں محوِ غمِ دوش رہوں
گُڑ کے طعنے بھی سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
ہم نشیں میں کوئی مردہ ہوں کہ خاموش رہوں
نفع اندوزوں سے الفت کی جلن ہے مجھ کو
شکوہ شکّر سے یہ خاکم بدہن ہے مجھ کو

خاص درجے کی مٹھاسوں میں تو مشہور ہیں ہم
مربّاں کہتے ہیں فریاد سے معمور ہیں ہم
اب کہ چٹنی سے مربّے سے بھی مجبور ہیں ہم
نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو مجبور ہیں ہم
اے شکر! شکوۂ اربابِ غذا بھی سن لے
تلخ کاموں سے ذرا اپنا گلہ بھی سن لے

ہم نے مانا کہ تری نسل ہے اتنی ہی قدیم
جیسے یہ غنچہ و گل جتنی پرانی ہے شمیم
شہد کی مکھیاں تھیں صاحب الطاف عمیم
مجھ کو لے کر جو پھریں چار طرف مثلِ نسیم
کس کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تھی
بس کہ مکھی ہی ترے نام کی دیوانی تھی

یاد کر اپنی وہ بنیاد کا پہلا منظر
گہہ لٹکتی تھی پہاڑوں میں کبھی پیڑوں پر
خوگرِ پیکرِ محسوس جو تھی اپنی نظر
دوسری شکل میں لائے ہیں تجھے ہم کیونکر
تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا
کس کے بازو سے ہوا بول سرانجام ترا

تجھ سے بیگانہ تھے سلجوق بھی تورانی بھی
اہلِ چیں چین میں ایران میں ایرانی بھی
تھے بڑے شہرۂ آفاق تو یونانی بھی
ایک سے ایک یہودی بھی تھے نصرانی بھی
کی ہے ہل بیلوں سے کھیتوں پہ چڑھائی کس نے
بو کے گنّے یہ تری بات بنائی کس نے

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں
ناؤ پر لاد کے بھیجا تجھے دریاؤں میں
کیک میں ڈھال کے پہونچایا کلیساؤں میں
گاڑے جھنڈے ترے ہر شہر میں ہر گاؤں میں
کہیں فہرست میں ہوتے جو جہانداروں کی
تیرا دم بھرتے یونہی چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے تو کیا صرف اسی دُرگت کے لئے
کیا نہ مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لئے
کھیت گوڑے تھے کوئی اپنی حکومت کے لئے
صرف مِل والے تجھے لیتے ہیں دولت کے لئے

یہ سمجھتے تو نہ یوں ان کو غنی کر دیتے
ہل بنانے کے عوض ہل شکنی کر دیتے

ٹل نہ سکتے تھے جو ہم کھیت میں اڑ جاتے تھے
پاؤں سب چوروں کے مینڈوں سے اکھڑ جاتے تھے
پاس آئے جو کوئی تیرے بگڑ جاتے تھے
لاٹھیاں تان لیا کرتے تھے، لڑ جاتے تھے

نقش اس طرح ہر اک دل پہ بٹھائے ہم نے
جان دے دے کے ترے کھیت بچائے ہم نے

ہل سے توڑے ہیں زمیں دوز وہ پتھر کس نے
صاف ادسر کیئے، گوڑے ہیں وہ بنجر کس نے
یہ شکرقند، یہ بوئے ہیں چقندر کس نے
کاٹ کے رکھ دیئے گنّوں کے یہ لشکر کس نے

کس نے بیگانہ کیا راب سے ہر انساں کو
کس نے ٹھنڈا کیا گُڑ والوں کی ہر دوکاں کو

قوم سیٹھوں کی نہ یوں تیری طلبگار ہوئی
نہ ترے واسطے زحمت کشِ پیکار ہوئی
کس کی محنت سے یہ کھیتی تری تیار ہوئی
کون سی آنکھ تھی جو رات کو بیدار ہوئی

امتحاں گاہ میں دل والے کہاں رہتے تھے
آ کے کھیتوں پہ یہ مِل والے کہاں رہتے تھے

اب بھی ہے دل میں ہمارے وہی سوز اور وہی ساز
جھولے ہاتھوں میں لئے صبح پہر بعدِ نماز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
آ کے دوکان پہ راشن کی سبھی ایک ہوئے

اور دوکان سے راشن کی جو ناکام پھرے
حسرتِ وصل میں تگنے بھی لئے دام پھرے
تیری دوکان پہ لے لے کے ترا نام پھرے
مضطرب ہجر میں تیرے سحر و شام پھرے
چھوٹے چھوٹے بھی دُوکاندار نہ چھوڑے ہم نے
چور بازار میں دوڑا دئے گھوڑے ہم نے

کھانڈ ساری کو نگاہوں سے گرایا ہم نے
شہد کی سب کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے پودوں کو سیاروں سے بچایا ہم نے
اور ملوں میں تجھے جا جا کے بسایا ہم نے
پیٹھ پر لاد کے بورے بھی وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں تو بھی تو دلدار نہیں

یوں تو دنیا میں بہت تیرے خریدار بھی ہیں
دانہ دانہ ترا چگ لینے کو تیار بھی ہیں
نفع خوری میں وہ چالاک بھی ہشیار بھی ہیں
سیکڑوں ہیں کہ ترے نام سے بیزار بھی ہیں

رحمتیں ہیں تری شیرینی کی دوکانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے پریشانوں پر
گھر سے سیٹھوں کے مٹھائی کے نہ طوفان گئے
خود ہی لے لے کے تجھے تیرے نگہبان گئے
وہ بھی دن بھر میں بہر رنگ تجھے چھان گئے
اور بے چائے کے دفتر بھی کچھ انسان گئے
ان کے ہونٹوں کا کچھ احساس تجھے ہے کہ نہیں
اپنی توہین کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں
یہ شکایت نہیں ان لوگوں کے گھر ہیں معمور
نہیں محفل میں جنھیں چائے بھی پینے کا شعور
قہر تو یہ ہے کہ حاضر رہے تو ان کے حضور
ان سے تو دور رہے تجھ کو سمجھتے ہوں جو حُور
ناشتے پر بھی کئی دن سے ملاقات نہیں
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں
ہم سے بیچاروں پہ دیدار ترا ہے نایاب
اور گوداموں میں حد ہے نہ تری اور نہ حساب
گھر میں مہمان جو آتے ہیں تو آتا ہے جواب
چائے بھی ان کو پلا سکتے نہیں خانہ خراب
ہائے اب کس سے کہیں پیش جو دشواری ہے
کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے
بن گئی تیری نئی چاہنے والی دنیا
رہ گئی اپنے لئے ایک خیالی دنیا

نفع خوروں نے بنا دی تری کالی دنیا
پا کے یہ حال حکومت نے سنبھالی دنیا

نہ سہی تو نہ ملے ہم ، کو ترا نام رہے
چائے نمکین ہی پی لیں گے جو نا کام رہے

اب وہ محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے
چائے کی پیالیاں شربت کے وہ پیالے بھی گئے
یونہی سالی بھی گئی اور یونہی سالے بھی گئے
بے تواضع ہی وہ بیٹھے بھی، نکالے بھی گئے

ساس سُسرے بھی گئے دل میں اندھیرا لے کر
چھپ گئی تو جو چراغ رخ زیبا لے کر

کھیت گنوں کے بھی کھیتی کے ہیں پہلو بھی وہی
تولنے کے وہی کانٹے بھی ترازو بھی وہی
ہے ملوں کے سحر و شام کا جادو بھی وہی
سارے کھڑاگ وہی ہم بھی وہی تو بھی وہی

پھر یہ آزردگی غیر سبب کیا معنی
اپنے شیداؤں پہ یہ چشم غضب کیا معنی

مالداروں نے کہاں زر طلبی کو چھوڑا
تیل خالص ہی رکھا اور نہ گھی کو چھوڑا
کہاں سرسوں کو کہاں مونگ پھلی کو چھوڑا
گردنیں ناپ دیں سب کی نہ کسی کو چھوڑا

حرص کی آگ یہ سینوں میں دبی رکھتے ہیں
نام کو تجھ سے محبت تو سبھی رکھتے ہیں

ٹھیک ہے اپنی وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی
ہم کو تجھ سے جو شکایت ہے بجا بھی نہ سہی
مضطرب دل صفتِ قبلہ نما بھی نہ سہی
اور پابندیٔ آئینِ وفا بھی نہ سہی

ایسے ویسوں سے تری بھی تو شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے

آ کے دو کانوں پہ گیہوں کے مقابل تو نے
اک اشارے پہ ہزاروں کے لئے دل تو نے
سر پھٹول کو کیا عشق کا حاصل تو نے
پھونک دی گرمیٔ دیدار سے محفل تو نے

کیا کہا سینے ہمارے شکر آباد نہیں
کون کس کس پہ لدا پڑتا تھا کیا یاد نہیں

تجھ سے اک دن صفتِ قیس میں غافل نہ رہا
تیرا بورا کوئی کب صورتِ محمل نہ رہا
حوصلے وہ نہ رہے تو نہ رہی دل نہ رہا
گھر کا کیا ذکر کہ جب رونقِ محفل نہ رہا

کیا خوشی تیسرے ہفتے جو بصد ناز آئی
اِک کلو ہی تو "سوئے محفلِ ما باز" آئی

بادہ کش غیر ہیں گلشن میں لب جو بیٹھے
سنتے ہیں جام بکف نغمۂ کو کو بیٹھے
ہیں جو دوکان پہ راشن کی یہ ہر سو بیٹھے
تیرے دیوانے ہیں سب منتظرِ ہو بیٹھے

کلکِ منشی کو پیامِ رقم افروزی دے
تولنے والے کو فرمانِ نظر سوزی دے

صنفِ نازک نے کیا فاش جو تھا ہجر کا راز
لے اُڑا بلبلِ بے پر کو مذاقِ پرواز
میز اور کرسیاں ہیں مرکزِ صد ناز و نیاز
ہوٹلوں میں ہے وہ چھڑنے کو ترے نام کا ساز

چائے بیتاب ہے ڈبّے سے نکلنے کے لئے
رنگ بے چین ہے بھٹی پہ اُبلنے کے لئے

مشکلیں ہم سے شریفوں کی تو آساں کر دے
یہ نہیں کہتے کہ ہمدوشِ سلیماں کر دے
جنسِ لذّت کو بایں حال اب ارزاں کر دے
بسکہ ہر ذائقہ دشمن کو مسلماں کر دے

پھر بصد جدّتِ باورچی دیرینۂ ما
برسد در شکمِ ما زِ رہِ سینۂ ما

سب کو معلوم ہے جاتا ہے کہاں رازِ چمن
داؤں دیتے ہیں چمن والوں کو غمّازِ چمن
تار ڈھیلے ہوں تو کیا خاک بجے سازِ چمن
بس یہی دو ہیں ترے زمزمہ پردازِ چمن

چائے نوش ایک تو ہیں محوِ ترنم اب تک
ایک افیونی سنبھالے ہیں تری دُم اب تک

میری بیگم کبھی جز بز کبھی حیراں بھی ہوئیں
چائے پی پی کے نمک کی وہ پریشاں بھی ہوئیں

بھاڑ میں جائے شکر کہہ کے گریزاں بھی ہوئیں
کیتلی ٹوٹ گئی پیالیاں ویراں بھی ہوئیں
غم ہے شوہر کو کہ دولت ہوئی برباد اس کی
خوش ہیں بیگم کہ سنی کوئی نہ فریاد اس کی

لطف مرنے میں ہے باقی نہ مزہ جینے میں
چائے نمکین بھی آتی نہیں اب پینے میں
بد مزاجی کے ہیں جوہر مرے آئینے میں
کس کو دکھلاؤں جو ہیں داغ مرے سینے میں

ساس سُسر ہے نہیں یا سالیاں سالے ہی نہیں
سب ہیں ہاں ساتھ یہ غم دیکھنے والے ہی نہیں

چاک مجھ شاعرِ بے کس کی نوا سے دل ہوں
جاگنے والے اسی بانگِ دَرا سے دل ہوں
پُر ہر اک بیوی کے شوہر کی وفا سے دل ہوں
بدلے غصے کے محبت کے پیا سے دل ہوں

ماچس اس واسطے گل شعلہ طرازی ہے مری
لاکھ غصہ ہے پہ بیوی تو نمازی ہے مری

ماچس ذرا جو نالۂ سوزاں سے کام لوں
شعلے ہی شعلے آئیں جہاں میں نظر ابھی

هزل

وہ ہمہمے وہ گرمیِ محفل نہیں رہی
دنیا مذاقِ عشق کے قابل نہیں رہی
جب دل میں کوئی آرزوئے دل نہیں رہی
جب شوق دید کی کوئی منزل نہیں رہی

﴿ق﴾

اس وقت اس نے بھیجا ہے خط کا مرے جواب
عینک بھی جب نگاہ کے قابل نہیں رہی
مجبور ہو کے مجھ کو کیا موت کے سپرد
شامِ فراق جب متحمل نہیں رہی
ڈاڑھی یہ کہہ کے حضرتِ واعظ نے مونڈ لی
دنیا ترے مذاق کے قابل نہیں رہی

قطعہ

جتنا کا ہے غم ان کو بھلائے ہوئے دنیا
اور ہم ہیں کہ اس فکر میں سب بھول رہے ہیں
جتنا تو خوشی کھا کے بھی موٹی نہیں ہوتی
نیتا ہیں کہ غم کھاتے ہیں اور پھول رہے ہیں

ہزل

میخانوں کا عام رویا — دھینگا مشتی تاتا تھیا
بارشِ عاشق چھپک چھیا — ان کی گلی میں دوڑک بھیا
جانتے ہیں کچھ اہلِ نظر ہی — کون ہے شاعر کون گویا
نا ممکن ہے ترکِ محبت — کیا کہتے ہو ناصح بھیا
جان ہی لے لی چشمِ تر نے — ایسی مچائی پینگ پیا
ان کی جفا پر پھر وہ وفا کیا — سیر پہ جب تک ہو نہ سویا
سب کی کوشش ان کو پالیں — اتنے لٹیرے اِک کنکیا

سوزِ محبت آخر کب تک
کچھ تو سوچو ماچس بھیا

تین شعر

اُسی سے پوچھیے کیا حالِ زار ہوتا ہے
یہ بھوت عشق کا جس پر سوار ہوتا ہے
جناب شیخ کی ڈاڑھی کو پوچھتے کیا ہو
اسی کی آڑ میں اکثر شکار ہوتا ہے
تلاش کرتے ہیں کیا کیا وہ تجھ کو اے ماچس
جب ان کے ہونٹوں کی زینت سگار ہوتا ہے

ھزل

عموماً عشق کی راہوں میں اڑنگے بھی ہوتے ہیں
کہیں ہُش ہُش پہ ٹلتی ہے کہیں دنگے بھی ہوتے ہیں

کہیں کپڑے پہن کر کام لیتے ہیں شرافت سے
شرافت کا جہاں موقع نہ ہو ننگے بھی ہوتے ہیں

وہ دنیا لاکھ اچھی میری دنیائے محبت سے
جہاں آزادیوں کے ساتھ ہُڑدنگے بھی ہوتے ہیں

کہیں بھی اک طریقے کے کبھی شاعر نہیں دیکھے
جہاں کچھ ڈھنگ کے ہوتے ہیں، بے ڈھنگے بھی ہوتے ہیں

مرا گھگھیا کے عرضِ وصل کرنا اُن کا فرمانا
ارے یہ اب کھلا عشاق بھک منگے بھی ہوتے ہیں

ترے شعروں پہ ماچس صرف خبطی ہی نہیں جلتے
سنا ہے جلنے والوں میں بھلے چنگے بھی ہوتے ہیں

☆☆☆

هزل

مرے نقصان کے پیچھے پڑے ہیں
وہ میری جان کے پیچھے پڑے ہیں

پڑے شیطاں نہ کیوں واعظ کے پیچھے
کہ یہ شیطان کے پیچھے پڑے ہیں

حوادث میرے تیور جانتے ہیں
مجھے پہچان کے پیچھے پڑے ہیں

پنپنا قرض خواہوں سے ہے مشکل
یہ ظالم خان کے پیچھے پڑے ہیں

نکل کر دیکھ تجھ پر مرنے والے
ترے دالان کے پیچھے پڑے ہیں

گلی میں ان کی پہرے کے سپاہی
مرے چالان کے پیچھے پڑے ہیں

پڑی ہیں ان کے پیچھے ان کی خالہ
وہ خالہ جان کے پیچھے پڑے ہیں

لیے اک حشر ساتھ اپنے یہ گیسو
ترے ہر کان کے پیچھے پڑے ہیں

ہلالِ عید پر نظریں ہیں جن کی
یہ سب رمضان کے پیچھے پڑے ہیں

جو عاشق ہیں انھیں ہے وصل کی دھن
اسی ارمان کے پیچھے پڑے ہیں

رہے شاعر تو اُن کا حال سنیے
کبھی میدان کے پیچھے پڑے ہیں

کبھی سبزے پہ نظمیں ہو رہی ہیں
کبھی چٹان کے پیچھے پڑے ہیں

کبھی ہے تجزیہ حیوانیت کا
کبھی انسان کے پیچھے پڑے ہیں

کبھی آندھی سے ٹکر لے رہے ہیں
کبھی طوفان کے پیچھے پڑے ہیں

کبھی بل نقطۂ مشقِ سخن ہے
کبھی دہقان کے پیچھے پڑے ہیں

کبھی کھیتوں کا رونا رو رہے ہیں
کبھی کھلیان کے پیچھے پڑے ہیں

ذرا سا رنگ گیہوں نے جو بدلا
پلٹ کر دھان کے پیچھے پڑے ہیں

بنا کر جھوٹ کے پُل رکھ دیئے ہیں
اگر رومان کے پیچھے پڑے ہیں

اُسے برباد کر کے دم لیا ہے
یہ جس عنوان کے پیچھے پڑے ہیں

عمل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے
ادب کی جان کے پیچھے پڑے ہیں

تری رفعت پہ ماچس جلنے والے
خدا کی شان کے پیچھے پڑے ہیں

انسان کے بہکانے کی کھائے تھا قسم
اس واسطے ظالم نے نیا وار کیا
جب شیخ و برہمن سے ہوا دل مایوس
شیطان نے نیتاؤں کو تیار کیا

☆☆☆

هزل

جو ہانک سکو ہانکو انجام کا کیا ڈر ہے
گفتار مقدم ہے کردار موخر ہے

کب جنس بدل جائے دونوں کو یہی ڈر ہے
جس ملک میں جو مادہ جس ملک میں جو نر ہے

سُن سُن کے یہی خبریں جینا ہمیں دوبھر ہے
کل اُس کی جو بیوی تھی آج اس کا وہ شوہر ہے

شوہر کی جو شوہر ہو بیوی کا جو بیوی ہو
بیوی وہی بیوی ہے شوہر وہی شوہر ہے

ہاں بوجھ کے بتلاؤ وہ کون ہے جو یارو!
بٹوٹ سے مونث ہے فطرت سے مذکر ہے

میں نے جو کہا اک دن مر جاؤں گا کچھ کھا کر
بولے کہ شریفوں کا مر جانا ہی بہتر ہے

جس ہاتھ میں خنجر تھا اس ہاتھ میں ہے چوڑی
جس ہاتھ میں چوڑی تھی اس ہاتھ میں خنجر ہے

پھر کیوں میں جلانے کا شکوہ کروں دنیا سے
بدلے گا نہ وہ ماچس جو جس کا مقدر ہے

ایجی ٹیشن

صاف ستھری اک گلی میں بورڈ تھا لٹکا ہوا
اس گلی میں جو بھی موتے گا وہ پکڑا جائے گا

بورڈ سے اہلِ سیاست کی نگاہیں مل گئیں
لیڈری کو اپنی چمکانے کی راہیں مل گئیں

کہہ رہے تھے ان سے سب یہ کوڑھ مغزوں کے دماغ
یہ تو نکلا بورڈ اپنی کامیابی کا چراغ

پارٹی کی پارٹی کا غنچۂ دل کھل گیا
ایجی ٹیشن کے لئے تازہ بہانہ مل گیا

اس طریقے سے بالآخر یہ مہم جاری ہوئی
یعنی اک دن محفلِ شوریٰ کی تیاری ہوئی

تھے کئی خود ساختہ لیڈر شریکِ قال و قیل
کچھ تھے بیرسٹر، کچھ ان میں ڈاکٹر کچھ تھے وکیل

پڑھ بھی سکتے تھے جو بیچارے نہ لکھ سکتے تھے ٹھیک
ایسے ایسے کچھ ایڈیٹر بھی ہوئے آ کر شریک

الغرض آپس کی کج بحثی قیامت ڈھائے تھی
کچھ کسی کا مشورہ تھا کچھ کسی کی رائے تھی

کوئی بزمِ مشورت میں پیش کرتا تھا یہ حل
ایجی ٹیشن ہی کی بھیّا ہے ضرورت آج کل

ختم بحثیں ہو کے آخر طے یہ پایا صاف صاف
ہر محلے میں ہو اک جلسہ حکومت کے خلاف

اور تو والینٹیر اس وقت سب بے کار ہیں
ہوں وہی بھرتی جو سَلسِ البول کے بیمار ہیں

واہ اے میرے وطن کی تربیت تیرے نثار
مضحکہ خیزی کا تجھ کو ڈر نہیں ہے زینہار

اس سے کیا مطلب کہ یہ تحریک ہے کتنی ذلیل
نکلی تو بدنام کرنے کی حکومت کو سبیل

بات تو کچھ بھی نہ تھی لیکن یہ نوبت آ گئی
ہر طرف ہونے لگے جلسے قیامت آ گئی

مثلِ شیطاں کے بنی آدمؑ کو بہکانے لگے
یوں مقرر ہر جگہ تقریر فرمانے لگے

کوئی کہتا تھا کہ خوب اچھی حکومت ہے جناب
ساتھ آزادی کے اب تو مُوتنا بھی ہے عذاب

کوئی کہتا تھا حکومت کا بھلا کیا حرج تھا
مُوت لیتے تھے جو چپکے سے یہاں اہلِ حیا

کوئی کہتا اب سُنیں میری جواں ہوں یا وہ پیر
فرض کیجئے اس گلی کے پاس ہے اک راہ گیر

اتفاقاً اس گلی سے دور ہے جائے قیام
راستے میں دوسرا بھی کچھ نہیں ہے انتظام

کیا نہ ہوگی اس کی حالت ماہیِ بے آب کی
دفعتہً لاحق ضرورت ہو اگر پیشاب کی

یہ نہ کہئے ضبط کر لینا کوئی مشکل نہیں
فرض کیجئے ظرف اس کا ضبط کے قابل نہیں

اب بتا دیجے کہ کیا دو کوس وہ گھر جائے گا
اس طرح بیچارہ اتنی دور کیونکر جائے گا

ایسی مجبوری میں ظاہر ہے خطا ہو جائے گا
راہ چلتوں کے لئے اک مضحکا ہو جائے گا

بندہ پرور یہ سڑک پر بے حجابی بھی تو ہے
اور بیچارے کے کپڑوں کی خرابی بھی تو ہے

اب ذرا کچھ سوچئے تو اس حکومت کے لئے
جس نے گلیاں تنگ کر دیں رفعِ حاجت کے لئے

بعد تقریروں کے اک منزل پہ آئے یہ نفوس
روز و شب اٹھنے لگے پیشاب والوں کے جلوس

تھے یہ نعرے بھائیو! جانوں پہ اپنی کھیل جاؤ
اُس گلی میں چل کے مُوتو اور خوشی سے جیل جاؤ

اس حکومت اور اس قانون کو توڑیں گے ہم
اُس گلی میں مُوتنا ہرگز نہیں چھوڑیں گے ہم

ہر طرف سے تھا عیاں اک جذبۂ بے اختیار
دیدنی تھی مُوتنے والوں کی لمبی سی قطار

جوش دکھلانے کی خاطر اس قدر بے تاب تھے
لیڈروں سے بڑھ کے کچھ والنٹیر بے تاب تھے

کوئی دھوتی کوئی پیجامہ سنبھالے ران تک
کہہ رہا تھا جیل کیا، دے دیں گے اپنی جان تک

جتنے بھی افسر تھے ڈیوٹی پر یہ ان کے حال تھے
اپنی اپنی ناک پر رکھے ہوئے رومال تھے

دیدنی تھا اشک آور گیس کا بھی وہ سماں
تھا کہیں پیشاب جاری اور کہیں آنسو رواں

فائدہ کیا ہے کوئی پوچھے ان اہلِ ہوش سے
اِک فضولی ایجی ٹیشن اس انوکھے جوش سے

جانے کیا سوجھی حکومت کو جب آیا یہ خیال
اس گلی میں مُوتنے کو کر دیا اس نے بحال

یہ ادا اہلِ سیاست کی پسند آئی ہمیں
جو نہ مل سکتی تھی آزادی وہ دلوائی ہمیں

وہ بھی ماچس خوش ہیں سب والنٹیر بھی شاد ہیں
اہلِ محفل جایئے اب آپ بھی آزاد ہیں

☆☆☆

ہزل

کیسے یہ بے اعتدالی جائے گی
کب تمہارے منہ سے گالی جائے گی

شیخ جی رندوں میں جس دن پھنس گئے
ان کی داڑھی نوچ ڈالی جائے گی

سنکھیا کھانا تو مشکل ہے مگر
آپ کہتے ہیں تو کھا لی جائے گی

سنتے ہیں محشر میں ہوگی اتنی بھیڑ
سر ہی سر پھینکو تو تھالی جائے گی

وہ یہ کہتے ہیں مروگے گر جواں
زحمتِ پیرانہ سالی جائے گی

فیملی پلاننگ

زیرِ نظر نظم دراصل ''راشننگ'' کی دشواری سے متعلق ہے۔ ماچس مرحوم نے اپنی ڈائری میں فیملی پلاننگ سہواً تحریر کیا ہے۔ ماچس کی ایک دوسری نظم ''نسبندی'' کے عنوان سے کہی گئی ہے۔ مذکورہ بالا عنوان اُسی کے لئے رہا ہوگا (ر۔آ۔)

ہے زمانے کی بہت حالت دگر جلدی سے آ
کر کے اب آنے کی مدّت مختصر جلدی سے آ
تجھ کو آنا ہے بہر صورت مگر جلدی سے آ
اپنی تیاری میں کچھ تعجیل کر جلدی سے آ
میرے لختِ دل مرے نورِ نظر جلدی سے آ

تڑ سے تو حاضر جو ہو ماں باپ کی سرکار میں
جھٹ سے تیرا نام بھیجوں راشنی دربار میں
ہو اضافہ کچھ تو راشن کارڈ کی مقدار میں
گندمی بچّے ، مرے شکّر پسر جلدی سے آ
میرے لختِ دل مرے نورِ نظر جلدی سے آ

دو مہینے پہلے ہی آ جا کہ یہ مشکل نہیں
نَو مہینے پیٹ میں رہنے سے کچھ حاصل نہیں
میرے پیارے ٹھیک اب غلّے کا مستقبل نہیں
اپنی ماں سے گھر کی حالت پوچھ کر جلدی سے آ
میرے لختِ دل مرے نورِ نظر جلدی سے آ

ماں بھی خوش ہوگی کہ اس کے پیار کا آغوش ہے تو
اس سے کیا گر رُکن ابھی دو کم ہیں ناموزوں ہے تو
میری جاں مصرعہ نہیں، شکّر ہے تو، گیہوں ہے تو
یہ عروض و فن کی بحثیں چھوڑ کر جلدی سے آ

میرے لختِ دل مرے نور نظر جلدی سے آ

ہو اگر پختہ ارادہ پھر کوئی جنجال کیا
چار جھٹکوں کے ہیں سب، زنجیر کیسی جال کیا
روک سکتے ہیں تجھے کمزور آنول نال کیا
ہوں اگر مضبوط تیرے بال و پر جلدی سے آ

میرے لختِ دل مرے نور نظر جلدی سے آ

ہو اگر جُڑواں تو ہر ماتھے کے بوسے چار دوں
اس خوشی میں یعنی اک یونٹ کا یونٹ مار دوں
چور بازاری کے منہ پر تھوک دوں، للکار دوں
لے کے اک یونٹ کا گیہوں اور شکر جلدی سے آ

میرے لختِ دل مرے نور نظر جلدی سے آ

سُن بڑی محنت سے میں نے یہ بنایا ہے پلان
ہوگا تو جس وقت کچھ کھانے کے لائق میری جان
اور اک بھائی کی تیرے چھیڑ دوں گا داستان
میرے منصوبے میں سب گڑ بڑ نہ کر جلدی سے آ

میرے لختِ دل مرے نورِ نظر جلدی سے آ

اس طرح غلے کا اب ڈیوڑھا لگانا ٹھیک ہے
قاعدے قانون سے یونٹ بڑھانا ٹھیک ہے
زد پہ ہیں گیہوں شکر بالکل نشانا ٹھیک ہے
وقت یہ ضد کا نہیں ہے، ضد نہ کر جلدی سے آ

میرے لختِ دل مرے نورِ نظر جلدی سے آ

اس نزاکت کو سمجھ کر کیوں نہیں آتا ہے تو
باپ کا بیٹا ہے اپنے اور ان داتا ہے تو
مجھ سے حالِ دل اگر کہنے میں شرماتا ہے تو
اپنی ماں کو دے کے آنے کی خبر جلدی سے آ

میرے لختِ دل مرے نورِ نظر جلدی سے آ

میری جاں تنخواہ کے بڑھنے کا اب امکاں نہیں
لوٹ آئے پھر سے سستی میں بھی اتنی جاں نہیں
کون سا بازار بھارت کا گرانستاں نہیں
ہے گرانی نقطۂ معراج پر جلدی سے آ

میرے لختِ دل مرے نورِ نظر جلدی سے آ

تو نہ گھبرا فرض ہے یہ تیرے مفلس باپ پر
رہ گئی تعلیم میں تیرے اگر کوئی کسر
دل لگا کر ممبری کے سیکھ لینا کچھ ہنر
ہاتھ اٹھانا کونسل میں بیٹھ کر جلدی سے آ

میرے لختِ دل مرے نورِ نظر جلدی سے آ

یہ بھی ہے بے ہنگ اور بے پھٹکری کا راستا
رنگ چوکھا آئے گا بیٹے کچھ اس سے بھی سوا
ایک نیتا بھی کہیں تجھ سے جو راضی ہو گیا
مونڈنا آرام سے جنتا کا سَر جلدی سے آ

میرے لختِ دل مرے نورِ نظر جلدی سے

دعوتیں اچھی سے اچھی خوب کھانا اس کے ساتھ
جب وہ اُدگھاٹن کو جائے تم بھی جانا اس کے ساتھ
ہوگا تیرے ساتھ بھی، جو ہے زمانا اس کے ساتھ
بن کے نیتا تو بھی پھرتا کار پر جلدی سے آ

میرے لختِ دل مرے نورِ نظر جلدی سے آ

یہ تو قصے بعد کے ہیں بات یہ فی الحال ہے
وہ تو کچھ حل ہو شکر گیہوں کا جنتا کال ہے
جو نمک کی چائے، جو فاقوں کا استقبال ہے
اولاً اس مسئلہ پر غور کر جلدی سے آ

میرے لختِ دل مرے نورِ نظر جلدی سے آ

بحث دفتر کی نہ اس دم کچھ پسر کا ہے سوال
آدھا یونٹ صرف گیہوں اور شکر کا ہے سوال
اس لئے بے کار مادہ اور نر کا ہے سوال
مختصر تو، جو بھی مادہ ہو کہ نَر جلدی سے آ

میرے لختِ دل مرے نورِ نظر جلدی سے آ

باپ ہے تیرا جسے کہتے ہیں ماچس خاص و عام
جس کا عزت سے ہر اک اہلِ قلم لیتا ہے نام
تو بھی اپنے سوختہ دل باپ کا کر احترام
اے سعادتمند سُتوانسے پسر جلدی سے آ

میرے لختِ دل مرے نورِ نظر جلدی سے آ

☆☆☆

ھزل

دل کی زور آزمائیاں توبہ
حسن سے ہاتھا پائیاں توبہ
عشق ہوجائے کائیاں توبہ
حسن سے اور برائیاں توبہ
ہاتھ وہ ان کے پچپچائے ہوئے
وہ سفید ان کی گھائیاں توبہ
اِک اکنّی میں چار پیسے تو خیر
پیسے میں تین پائیاں توبہ
یہ نزاکت نہیں ، مرض ہے تمھیں
اتنی سوکھی کلائیاں توبہ
ہیں یہ آہیں کہ شامِ غم ماچس
چھُٹ رہی ہیں ہوائیاں توبہ

ہزل

لگی وہ ٹانگ سرکاری کہ توبہ
ہوئی یوں چت زمینداری کہ توبہ

ترا چاہِ زنخداں خوب لیکن
ہے پانی اس قدر کھاری کہ توبہ

بنا دیتی ہے بُھتنا آدمی کو
ہے چیچک بھی وہ بیماری کہ توبہ

کسی کے عارضِ رنگیں کی تصویر
ٹماٹر ہے وہ ترکاری کہ توبہ

میاں مجنوں کو لیلےٰ کے شتر نے
اُچک کر لات وہ ماری کہ توبہ

پھنسی ہے آ کے ایسے جھمیلے میں
یہ بیچاری زمینداری کہ توبہ

جلا کر خاک کر دیتی ہے ماچس
محبت ہے وہ چنگاری کہ توبہ

نسبندی

ایک احمق سن کے بولا مجھ سے نسبندی کی بات
آپ کا یہ سارا منصوبہ ہے بالکل واہیات

جب کہا میں نے کہ پیارے اور کوئی حل نہیں
ہنس کے بولا آپ سے بڑھ کر کوئی پاگل نہیں

میں نے جب پوچھا بتاؤ تو کہ کیا نقصان ہے
بولا اس میں، پے بہ پے خطرات کا امکان ہے

وہ سبھی روحیں، ہے نسبندی جنھیں روکے ہوئے
گھٹتے گھٹتے ایک دن جذبہ بغاوت کا لئے

بول دیں دھاوا نہ اک دن جنگ کے میدان میں
جل کے پیدا ہو نہ جائیں چین و پاکستان میں

کیا نہ جنتا پھینک دے گی نوچ کر اپنی ازار
بھوت بن بن کر اگر روحیں سروں پر ہوں سوار

اس لئے کہتا ہوں میں سب واہیات و واہیات
یہ تو اک ویسی ہی بالکل بیوقوفی کی ہے بات

ایک کھڑکی بند کر لیں ایک کھڑکی کھول لیں
ایک خطرہ سر سے ٹالیں ایک خطرہ مول لیں

کیا وطن بھر میں "ولادت روک" پھیلایا ہے جال
ایک بھی کم عقل کو آتا نہیں اس کا خیال

کتنی روحیں ہوں وطن کا جن سے روشن نام ہو
کیوں یہ نسبندی کے ہاتھوں ان کا قتلِ عام ہو

کتنی روحیں ہوں جو پابندِ صلوٰۃ و صوم ہوں
کتنی فخر الملک ہوں، کتنی فدائے قوم ہوں

ہوں نہ جانے کس قدر کردار انسانی لئے
آئیں جو، ہر تشنہ لب کے واسطے پانی لئے

جانے کیا کیا دردِ ملت کس کس کے دل میں ہو
شاید اپنے حال کا حل اپنے مستقبل میں ہو

آئے دہرانے کو ماضی کی کہانی بھی کوئی
شاید ان روحوں میں ہو جھانسی کی رانی بھی کوئی

راونوں کی آج کے دُرگت بنانے کے لئے
رام ہو بے چین کوئی شاید آنے کے لئے

یہ بھی ممکن ہے ہوئی ہو چشتی و نانک میں بات
بدتمیزی کو سکھائیں چل کے آدابِ حیات

کچھ وطن کے واسطے کر کے نئی راہیں تلاش
شاید آنا چاہتے ہوں پھر سے گاندھی اور سُبھاش

یہ تو ممکن ہے کہ کچھ کردار کے کمزور ہوں
یہ غلط ہے سب ہی رشوت خور ہوں یا چور ہوں

ہے جہاں اتنی وہاں ناسازگاری اور بھی
کچھ شرابی اور، تھوڑے سے جواری اور بھی

کیا برا جو ملک میں پھیلے یہ دھندہ اور بھی
ہیں جہاں لاکھوں وہاں دس بیس نیتا اور بھی

یہ بھی امکاں ہے بہت سے فرقہ پروران میں ہوں
یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ معقول لیڈر ان میں ہوں

ہاتھ رکھنے کو ملیں گے ان کے کندھے اور بھی
ملک میں اتنے جہاں ہیں چند اندھے اور بھی

چاہتے ہیں جو کہ رہ جائے یہ جنتا لیٹ کے
شاید ان روحوں میں کچھ حامی ہوں سنڈیکیٹ کے

مرد ہونے پر جو پہنیں بڑھ کے عورت کا لباس
شاید ان میں ایسی کچھ روحیں بھی ہوں انٹر کلاس

کیا نہیں ممکن کہ دنیا سے نرالے ان میں ہوں
اک سے اک گھامڑ ڈرامہ لکھنے والے ان میں ہوں

جیسے ہو قابو سے باہر اونٹ کوئی بے مہار
شاید ان روحوں میں نکلیں ایسے ایسے گیت کار

آتے ہی جو کہہ اٹھیں فعلن فعولن فاعلات
ہوں نہ جانے کتنے شاعر ان میں کتنی شاعرات

علم و فن کے دامنِ جیب و گریباں پھاڑنے
اور جاہل کیوں نہ آئیں قابلیت جھاڑنے

کیوں اڑاتے ہیں کہ ہوگا دیس چوپٹ اور بھی
کیا بنائیں گے جو آئیں گے گرہ کٹ اور بھی

یہ بھی ممکن ہے کہ حسن و عشق دونوں کھا کے گھاس
آرہے ہوں ٹھاٹ سے ڈانٹے ہوئے ٹیڈی لباس

اور پیدا گرمی بازار کرنے کے لئے
قوم کی عزت کا بیڑا پار کرنے کے لئے

ہنس کے بولا جب اٹھایا میں نے راشن کا سوال
آپ ان داتا ہیں مجھ کو یہ نہ تھا ہرگز خیال

جھٹ سے بولا آ گیا جب مسئلہ تعلیم کا
کیا وہ اوندھی کھوپڑی والوں سے حل ہو جائے گا

حل وہ ہو جس کے مزے کل قوم لوٹے میری جاں
سانپ بھی مر جائے لاٹھی بھی نہ ٹوٹے میری جاں

دیکھنا جو تبصرے ہوتے ہیں مجھ ناچیز پر
تم تو تم دنیا پھڑک اُٹھے مری تجویز پر

کونسل میں بل اک ایسا جلد آنا چاہیے
لاولد جتنے ہیں سب کو قومیانا چاہیے

کون ہے وہ جس کو بے، کل، کل کے ہے دنیا پسند
دولتِ اولاد کون احمق کرے گا ناپسند

اور بھی آساں سے آساں تر یہ مشکل کیجئے
ان میں کم اولاد والوں کو بھی شامل کیجئے

ان کو ہر اک سے زیادہ بوجھ اٹھانا چاہیے
اہلِ دولت کا ذرا کوٹہ بڑھانا چاہیے

ہو حکومت کی طرف سے جلد یہ اعلانِ عام
چاہتے ہیں ہم کہ بچوں کا ہو اک بہتر نظام

جتنے جو چاہے کرے پیدا وہ خود مختار ہے
صرف اتنی بات کا قانون ذمہ دار ہے

تین ہی بچے فقط حصے میں اس کے آئیں گے
جتنے زائد ہوں گے قومی ملکیت ہو جائیں گے

یوں برابر سے اگر تقسیم ہو اولاد کی
کیا ہے گنجائش کسی کے نالہ و فریاد کی

ایک ہی بچے پہ جس کے باپ کا ٹوٹا ہے تار
قوم کے دو طفل کیجے اس کی گردن پر سوار

دو ہی پیدا کر کے غیرت سے جو شرمانے لگے
کھوپڑی پر اس کی بچہ قوم کا اک لاد دے

بعد اس کے جو جہاں آئے نظر سرمایہ دار
آٹھ بچے قوم کے ہوں بے دھڑک اس پر سوار

ہو یہ پابندی کہ سب ہی جان و دل سمجھیں انھیں
عارضی بچے ہوں لیکن مستقل سمجھیں انھیں

بعد شادی کے رہے یہ حکم خاص و عام کو
تین ہفتے بعد اک درخواست دے حکام کو

صاف ہی درخواست میں لکھے ہے کس کو کیا پسند
کون بیٹی گود لے گا، کس کو ہے بیٹا پسند

یہ بھی لکھے اپنی عرضی میں ہر اک امیدوار
کھاتے پیتے چاہتا ہے وہ کہ بچے شیر خوار

جب تک اپنی خود مرادِ دل نہیں پائے گا وہ
اپنا بھیجہ قوم کے بچوں سے نچوائے گا وہ

جب ہو پیدا اس کے گھر میں اس کا خود نورِ نظر
ایک بچہ قوم کا واپس کرے دو روک کر

اور اگر جڑواں کسی جوڑے کو کر دیں شاد کام
قاعدے سے واپسی کا دو کی رکھے انتظام

ہو اگر موقع تو دونوں کو بھڑا دیجے کہیں
ورنہ اک اک کر کے ہر بچہ کھپا دیجے کہیں

اس طرح پھر قوم کا بھی ہوگا زندوں میں شمار
کتنے عورت مرد پا جائیں گے اس سے روزگار

اور بھی اک کام اس سے برمحل ہو جائے گا
یہ بھی لاحل مسئلہ پھر خود ہی حل ہو جائے گا

ختم کر دیں گے یہ بچے قوم کی سب چھوت چھات
پھر نہ ہوگا اختلافِ رنگ و نسل اور ذات پات

ہوگا بچوں کی للک میں یہ سبھی کو خوشگوار
گھر میں مہتر کے ہو ٹھاکر، گھر میں ٹھاکر کے چمار

اس سلیقے سے رہے جاری یہ قومی ہیر پھیر
پھر غریبوں کے گھروں میں کیوں لگیں بچوں کے ڈھیر

رہ گئے اس کے سوا ناگفتہ بہ جو حادثات
ہے یہی ان کی کھپت کے واسطے سیدھی سی بات

جتنے پیدا ہوتے جائیں دو دلوں کی موج میں
ان کا اک یونٹ الگ رکھئے وطن کی فوج میں

کیجئے ناجائز فسادوں کا انھیں سے سدِ باب
ہے مثل لوہے کو لوہا کاٹتا ہے اے جناب

لاولد گر دوسرے ملکوں کے بھی مانگیں یہ مال
بھیج دیجئے قوم کے بچے انھیں بے قیل و قال

روسی، امریکی و لبنانی کوئی شامی بنیں
کیوں نہ اپنے دیسی بچے بین الاقوامی بنیں

اُس نے جو لکچر دیے مجھ کو جلانے کے لئے
میں نے ماچس نظم کر ڈالے زمانے کے لئے

چار شعر

جب روسیوں نے بم کوئی ایجاد کیا ہے
اس دل نے ترا تیرِ نظر یاد کیا ہے
کچھ سوچ کے میں عشق میں برباد ہوا ہوں
کچھ سوچ کے اس نے مجھے برباد کیا ہے
رٹ رٹ کے تو کالج کا سبق یاد کیا تھا
مَر مَر کے محبت کا سبق یاد کیا ہے
پر بھی اسے دے دے کہ وہ اڑ آئے مرے گھر
اللہ اگر اس کو پری زاد کیا ہے

ہزل

نشیمن جو اُجاڑے جا رہے ہیں
یہ بھڑ بھونجے کے بھاڑے جا رہے ہیں

ملے بھی ہیں تو اُف رے نخوت حسن
سڑک پر آڑے آڑے جا رہے ہیں

کسی کے باپ دادا کا ہے تالاب
کسی کے گھر سنگھاڑے جا رہے ہیں

مزے کی کشتیاں ہوں گی سرِ حشر
اکھاڑے کے اکھاڑے جا رہے ہیں

جوانی میں ہیں وہ بچپن کے شاکی
گڑے مُردے اُکھاڑے جا رہے ہیں

نظر آنے لگیں جب سر پہ چھجر
سمجھ لیجے کہ جاڑے جا رہے ہیں

جہاں پڑتا تھا ان کے گھر کا کوڑا
وہیں عاشق بھی گاڑے جا رہے ہیں

جلا کر اپنی فرقت میں وہ ماچس
ترا حلیہ بگاڑے جا رہے ہیں